بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ

اَیُّھُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ

الحمدللہ والصلوٰۃ علیٰ نبیہ کہ رسالہ ہدایت انتساب

فائدہ بخش خاص وعام مُسَمّٰی بہ

حَقِیْقَۃُ التَّوَسُّلِ وَالْوَسِیْلَۃ

وَرِسَالہ

تَحْقِیْقُ سِمَاعِ مَوتٰی

مَع اضافات جدیدہ

از

مفسر قرآن وشیخ الحدیث حضرت مولانا الحافظ الحاج ابومحمد عبدالستار محدث رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

دارالکتاب والسنۃ، ۹۹۸، پان منڈی، صدر بازار، دہلی۔۶

ملنے کا پتہ

اے/۴۹، مسجد ومدرسہ محمدی، میمن واڑہ، محمد علی روڈ، ممبئی۔۴۰۰۰۰۳

قیمت ۔/۲۰ روپے

عرضِ ناشر

دعا انسانی زندگی کا لازمی اور لانیفک جزء ہے۔ دعا سے کوئی انسان مستغنی نہیں۔ دعا انسان کے یقین کو مزید راسخ اور مضبوط کرتی ہے۔ دعاء کے وقت انسان کا احساس اللہ رب العزت کے بارے میں بیدار ہوتا ہے۔ دل اندر سے پکارتا ہے کہ کوئی ہے جو ہمارا داتا ہے، کوئی ان دیکھی طاقت ہے جو ہماری تقدیر بناتی اور بگاڑتی ہے۔ مرض و شفا، امیری و غریبی، خوش حالی و زبوں حالی، راحت و رنج کا مالک و مختار ہے۔ دعا عبد کو معبود سے، مخلوق کو خالق سے، مربوب کو رب سے محتاج کو غنی سے، فقیر کو داتا سے، حاجت مند کو حاجت روا سے جوڑتی ہے۔ جس طرح برقی تار بلب کو پاور ہاؤس سے جوڑتا ہے، ٹھیک اسی طرح دعا بندہ کو اللہ سے جوڑتی ہے۔

جب بندہ خلوصِ دل سے یکسو ہو کر ماسوا اللہ سے کٹ کر اللہ کے حضور ہاتھ اٹھاتا ہے اور اپنی عرض و درخواست کو بارگاہِ الٰہی میں پیش کرتا ہے، اس وقت بندہ اور اللہ کے درمیان کوئی دوسری چیز حائل نہیں ہوتی اور نا ہی ہونی چاہئے۔ بندہ محسوس کرتا ہے کہ میں کہہ رہا ہوں اور میرا آقا سن رہا ہے۔

فطرتِ انسانی کے اس وجدانی تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ.﴾ (سورہ ۴۰، آیت ۶۰) ''اور کہتا ہے تمہارا رب، مجھ کو پکارو، میں پہنچوں تمہاری پکار کو۔'' دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ.﴾ ''اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے میرے بارے میں تو میں تو قریب ہوں، قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی جب مجھ سے دعا مانگے، تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین لائیں مجھ پر تا کہ نیک راہ پر آئیں مزید اللہ تعالیٰ نے اپنے اور بندوں کے درمیان قربت اسطرح بیان فرمائی ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ.﴾ (سورہ ۵۰، آیت ۱۶) یعنی ''ہم اپنے بندہ کی رگِ گردن سے بھی قریب ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے دعا کو عبادت قرار دیتے ہوئے فرمایا۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ.﴾ (سورہ ۴۰، آیت ۶۰) ''بیشک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری بندگی سے، اب وہ داخل ہوں

گے جہنم میں ذلیل ہوکر۔'' اور رسولِ کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ ﴿ان الدعاء هو العبادة.﴾ یعنی، ''دعا عبادت ہے۔'' نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے، ﴿الدعاء مخ العبادة.﴾ یعنی، ''دعا عبادت کا مغز ہے۔'' مولانا مفتی شفیع صاحب تفسیر مظہری کے حوالے سے لکھتے ہیں۔'' ﴿ان الدعاء هو العبادة.﴾ میں بقاعدہ عربیت قصر المسند علی المسند الیہ کا یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ دعا عبادت ہی کا نام ہے۔ یعنی ہر دعا عبادت ہی ہے۔ اور قصر المسند الیہ علی المسند کے طور پر یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ ہر عبادت ہی دعا ہے۔

یہاں دونوں احتمال ہیں، اور مراد یہاں یہ ہے کہ دعا اور عبادت اگرچہ لفظی مفہوم کے اعتبار سے دونوں جدا جدا ہیں مگر مصداق کے اعتبار سے دونوں متحد ہیں کہ ہر دعا عبادت ہے اور ہر عبادت دعا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عبادت نام ہے کسی کے سامنے انتہائی تذلل اختیار کرنے کا۔ اور ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو کسی کا محتاج سمجھ کر اس کے سامنے سوال کے لئے ہاتھ پھیلانا بڑا تذلل ہے جو مفہوم عبادت کا ہے۔

مزکورہ بالا آیاتِ کریم، احادیثِ نبویہ اور تفسیر سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ دعا عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس عبادت کا حکم بھی دیا ہے، تو پھر عبادت کے وقت عابد اور معبود کے درمیان کسی تیسری چیز کا دخل قطعاً درست نہیں ہوسکتا۔ جب دعاء انسانی زندگی میں ایک ایسا درجہ رکھتی ہے جسکے بغیر زندگی ہی نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے بھی حکم دیا، اور اللہ کے رسول ﷺ نے اسکی تفصیل وتشریح بیان فرمائی۔ اور عمل کرکے دکھایا سمجھایا، اور پھر دعاء کے اقرب الی الاجابہ ہونے کے طریقے بھی بتائے اور سکھائے۔

بس اس کتاب میں اسی مسئلہ کا تفصیلی خاکہ اور جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ رب العزت سے دعاء ہے کہ وہ مولیٰ کریم امتِ مسلمہ کو اس کتاب کے ذریعہ اپنے نبی ﷺ کی صحیح تعلیم وتربیت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرما کر اسکا عامل بنادے۔ آمین یارب العلمین۔

سعید عامر شیخ عبدالماجد السلفی

ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ اَلحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَکْمَلَ لَنَا دِیْنَنَا وَاَتَمَّ عَلَیْنَا نِعْمَتَه، وَرَضِیَ لَنَا الْاِسْلَامَ دِیْنًا وَّاَصَرَ نَا اَنْ نَّسْتَهْدِیَهٗ صِرَاطَهُ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِیْنَ. وَاَشْهَدُاَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰی دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَجَعَلَهٗ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ اَمْرَهٗ بِاِتِّبَاعِهَا وَاَمْرَهٗ بِاَنْ یَّقُوْلَ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْ اَدْعُوْ اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا. ﴾

امابعد: یہ مختصر رسالہ توسل یعنی وسیلہ کے متعلق ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ توسل یعنی وسیلہ جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تو غالباً کسی مسلم کو انکار نہ ہوگا کہ توسل یعنی وسیلہ جائز بلاریب ہے۔ البتہ اس کی تفصیل میں قدرے اختلاف ہے اور وہ یہ کہ ایک فریق توسل بذات الأنبیا کا قائل ہے یعنی انبیاء کی ذات سے توسل چاہنا۔ فریق ثانی کہتا ہے کہ توسل سے مراد اچھے عمل کرنا اور اللہ کی درگاہ میں خود دعا کا کرنا یا کسی بزرگ صالح موحد متبع سنت سے کرانا اس کا نام وسیلہ ہے، دیگر ہیچ۔

درحقیقت کوئی جھگڑے کی بات نہیں۔ مسئلہ ایک ہے محض فہم کا فرق ہے۔ نفس

توسل میں کسی فریق کو اختلاف نہیں یعنی اپنی حاجات خدا سے مانگنے میں کسی کو بیچ میں ڈالنا ، یہاں تک تو سب کا اتفاق ہے کسی کو بیچ میں ڈالنا اس کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ فریق ثانی کہتے ہیں کہ بیچ میں ڈالنا محض قرآن وحدیث سے دعاء اور اعمال صالحہ کا پایا جانا ہے یعنی کسی رتبہ کے حاصل کرنے یا کسی مصیبت سے خلاصی پانے کے لئے خدا سے خود دعا مانگنا یا کسی زندہ بزرگ سے دعاء کرانا ، یا خد بھی کرنا اور ان سے بھی کرانا یا اچھے عمل کرنا جس سے وہ رتبہ حاصل ہو یا وہ مصیبت ٹلے، صرف یہ وسیلہ ہے، اس کے سوا سب ہیچ۔

فریق اول کہتے ہیں کہ وسیلہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات بابرکات کا ہے یعنی کسی مصیبت سے خلاصی یا کسی رتبہ کے حاصل کرنے کے لئے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات کا وسیلہ کافی وافی ہے اور اس لئے انکے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات اور ممات برابر ہے صرف یہ نزاع ہے۔

فریق ثانی کے دلائل تو بالکل صاف وصریح ہیں یعنی وسیلہ محض اعمال صالحہ اور دعاء کا نام ہے جیسا کہ تیسری فصل میں معلوم ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ فریق اول سیدھی بات کو ٹیڑھا کر کے اپنی طرف کرنا چاہتے ہیں جو کسی طرح ہو نہیں سکتی۔

آمد بر سر مطلب۔ یہ رسالہ چار فصلوں پر منقسم ہے۔ پہلی فصل میں لفظ توسل کے معنی بتلائے گئے ہیں اور دوسری فصل میں قائلین توسل بالذات کے ادلہ لکھ کر ان کے معقول ومنقول جوابات دیئے گئے ہیں۔ اور تیسری فصل میں مانعین توسل بالذات کے ادلہ قویہ صریحہ صحیحہ درج ہیں اور چوتھی فصل میں سماع موتیٰ کے متعلق بحث ہے وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

فصل پہلی توسل کے معنی میں

توسل کے معنی کسی عمل سے کسی کی نزدیکی اور قرب حاصل کرنے کے ہیں چنانچہ صحاح جوہری کے صفحہ ۴۵۶ میں ہے ﴿ وَتَوَسَّلَ عَلَيْهِ بِوَسِيْلَةٍ اِذَا تَقَرَّبَ اِلَيْهِ بِعَمَلٍ ﴾ یعنی قرب حاصل کیا کسی کا بذریعہ کسی عمل کے۔ اور لغات کشوری کے صفحہ ۱۱۶ میں ہے تَوَسُّلٍ ،، وسیلہ ڈھونڈنا کسی کو درمیان میں ڈالنا۔ اور صفحہ ۵۵ میں ہے وَسِيْلَةٌ ذریعہ، واسطہ۔ اور مجمع البحار جلد ۳ مطبوعہ نولکشور کے صفحہ ۴۳۶ میں ہے ﴿ اَلْوَسِيْلَةُ اَصْلُهَا مَا يُتَوَسَّلُ بِهٖ اِلَى الشَّئِى وَيُتَقَرَّبُ بِهٖ وَجَمْعُهَا وَسَآئِلُ وُسِلَ اِلَيْهِ وَسِيْلَةٌ وَتُوُسِّلَ وَالْمُرَادُ هُنَا الْقُرْبُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَقِيْلَ هِىَ الشَّفَاعَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَقِيلَ هِىَ مَنْزِلَةٌ مِّنْ مَنَازِلِ الْجَنَّةِ ﴾ یعنی وسیلہ کے معنی کسی شئے سے کسی شئے کا قرب حاصل کرنا ہے اور وسیلہ کی جمع وسائل آتی ہے ﴿ وُسِلَ اِلَيْهِ وَسِيْلَةٌ اَوْ تُوُسِّلَ ﴾ ہر دو کے معنی اللہ کا قرب حاصل کرنے کے ہیں اور کہا گیا کہ شفاعت جو قیامت کے دن ہوگی اس کا نام وسیلہ ہے اور کہا گیا کہ وہ ایک منزل ہے جنت کی منازل میں سے۔ ہ قاموس ربع رابع مطبوعہ نولکشور کے صفحہ ۴۹ میں ہے ﴿ اَلْوَسِيْلَةُ وَالْوَاسِلَةُ الْمَنْزِلَةُ عِنْدَ الْمَلِكِ وَالدَّرَجَةُ وَالْقُرْبَةُ وَوُسِّلَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى تَوْسِيْلًا عَمِلَ عَمَلًا تُقُرِّبَ بِهٖ اِلَيْهِ كَتَوَسَّلٍ وَالْوَاسِلُ الْوَاجِبُ الرَّاغِبُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى ﴾ یعنی وسیلہ اور واسلہ بادشاہ کے قرب اور درجہ اور منزلت کا نام ہے یعنی ایسا عمل کرے کہ جس کی وجہ سے اللہ کا قرب حاصل ہو۔ وسّل اور توسل کے ایک ہی معنیٰ ہیں اور واسل بمعنیٰ رغبت کرنے والا اللہ کی طرف۔

فصل دوسری، قائلینِ توسل بالذات کے ادلہ اور اُن کے معقول جوابات

ناظرین کو یہ تو معلوم ہوگیا کہ توسل اور وسیلہ کے معنی کسی کو درمیان میں ڈالنا ہے۔ جو علماء قرآن وحدیث کی پابندی کما حقہ کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ درمیان میں ڈالنا اعمالِ حسنہ اور بزرگان دین کی دُعاء کا نام ہے اور دعاء عین حیات ہی میں ہوسکتی ہے بعد ممات نہیں۔ جو عوام اس لائن سے ہٹے ہوئے ہیں وہ ایک قید اور زیادہ بڑھاتے ہیں یعنی بزرگانِ دین کی ذات کو وسیلہ ڈالتے ہیں۔ علماء ربانی اس کو ناجائز بلکہ حرام سمجھتے ہیں۔ اور فریق قائل اسکو جائز بلکہ اولیٰ سمجھتے ہیں۔ علماء ربانی کے ادلہ بالکل صاف اور صریح ہیں کہ کہیں قرآن وحدیث میں کسی بزرگ کی ذات کا وسیلہ نہیں پایا جاتا بلکہ اعمال اور بزرگان دین کی دعا کا پایا جاتا ہے علماء ربانی کے دعوے پر یہ آیت بالکل فیصلہ کن ہے۔ فرمایا اللہ سُبحانہ تعالیٰ نے ﴿اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْراً ☆ (پ ۱۵ بنی اسرآئیل)﴾ یعنی انبیاء علیہم السلام تو خود اپنے رب کا وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں کہ کون سے عمل سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بیشک اس کا عذاب ہے ڈر رکھنے کے لائق۔

فائدہ. اس آیت نے فریق ثانی کے دعوے کو بالکل ثابت کر دیا یعنی جس چیز کا وسیلہ انبیاء علیہم السلام پکڑتے تھے اس چیز کا وسیلہ امت پکڑ سکتی ہے۔

پس نتیجہ بالکل صاف ہے کہ انبیاء علیہم السلام کس چیز کا وسیلہ پکڑتے تھے، قرآن مجید نے اس بات کا خود فیصلہ فرما دیا ہے فرمایا ﴿اَیُّھُمْ اَقْرَبُ. اَلْاٰیَۃ﴾ تفسیر کبیر جزء خامس کے ص نمبر ۶۰۶ میں ہے ﴿اِنَّ قَوْلَہٗ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ ھُمُ الْاَنْبِیَآءُ الَّذِیْنَ ذَکَرَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِقَوْلِہٖ وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَ تُعَلِّقَ ھٰذَا لَکَلَامُ بِمَا سَبَقَ ھُوَ اَنَّ الَّذِیْنَ عُظِّمَتْ مَنْزِلَتُھُمْ وَ ھُمُ الْاَنْبِیَآءُ لَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ تَعَالٰی وَ لَا یَبْتَغُوْنَ الْوَسِیْلَۃَ اِلَّآ اِلَیْہِ فَاَنْتُمْ بِالْاِقْتِدَآءِ بِھِمْ اَحَقُّ فَلَا تَعْبُدُوْا غَیْرَ اللّٰہِ تَعَالٰی الخ﴾ یعنی انبیاء اللہ جن کے کلام سے متعلق ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا. اَلْاٰیَۃ﴾ وارد ہوا ہے اور یہ معلق ہے پہلے کلام سے پہلے سے بایں طور پر کہ جن کی منزلت اور عظمت تمہارے دلوں میں ہے اور وہ انبیاء اللہ ہیں۔ نہیں عبادت کرتے تھے وہ مگر اللہ کی اور نہیں ڈھونڈتے تھے وسیلہ مگر طرف اس کے، پس تم بھی ان ہی کی اقتدا کرو یعنی اسی کی عبادت کرو (اور اسی سے وسیلہ چاہو) جس طرح انبیاء چاہتے تھے۔ ایضاً صفحہ ۶۰۶ ﴿قَوْلُہٗ یَبْتَغُوْنَ فِعْلَ الْمَعْبُوْدِیْنَ وَ مَعْنَاہُ اَنَّ اُولٰئِکَ الْمَعْبُوْدِیْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ فَاِنَّہٗ لَا نِزَاعَ اَنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ یَرْجِعُوْنَ اِلَی اللّٰہِ فِیْ طَلَبِ الْمَنَافِعِ وَ دَفْعِ

اَلْمَضَآرِّ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ وَ اِذَا کَانَ کَذَالِکَ کَانُوْا مَوْصُوْفِیْنَ بِالْعِجْزِ وَ الْحَاجَةِ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَغْنَی الْاَغْنِیَاءِ ﴾ یعنی انبیاء تو خود وسیلہ ڈھونڈتے تھے اور مطلب یہ ہے کہ یہ بزرگ ڈھونڈھتے تھے اپنے رب کا وسیلہ پس تحقیق نہیں نزاع اس امر میں کہ فرشتے لوٹتے ہیں رب کی طرف نفع کے حاصل کرنے میں اور شر کے دفع کرنے میں اور امید رکھتے ہیں اس کی رحمت کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے یہی حقیقت ہے، تو معلوم ہوا کہ فرشتے بھی محتاج اور بے اختیار ہیں، اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے اور کسی کا محتاج نہیں۔

﴿ اَیْضًا ذٰلِکَ لِاَنَّ الْکُفَّارَ کَانُوْا مُقِرِّیْنَ بِاَنَّ الْمَلٰئِکَةَ عِبَادُ اللّٰهِ وَ خَالِقُ الْمَلٰئِکَةِ وَ خَالِقُ الْعَالَمْ لَا بُدَّ وَاَنْ یَّکُوْنَ اَقْدَرُ مِنَ الْمَلٰئِکَةِ وَ اَقْوٰی مِنْهُمْ وَ اَکْمَلُ حَالًا مِّنْهُمْ وَ اِذَا ثَبَتَ هٰذَا فَنَقُوْلُ کَمَالُ قُدْرَةِ اللّٰهِ مَعْلُوْمٌ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَ کَمَالُ قُدْرَةِ الْمَلٰئِکَةِ غَیْرُ مَعْلُوْمٍ وَ لَا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ بَلِ الْمُتَّفَقُ عَلَیْهِ اِنَّ قُدْرَتَهُمْ بِالنِّسْبَةِ اِلٰی قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی قَلِیْلَةٌ حَقِیْرَةٌ. اَلْخ ﴾ (ص نمبر ۶۰۶) یعنی کفار اس بات کے اقراری تھے کہ فرشتے اللہ کے بندے ہیں اور پیدا کرنے والا فرشتوں کا اور جہاں کا ضروری ہے اور یہ کہ جو ان کا خالق ہوگا وہ زیادہ قدرت والا ہوگا فرشتوں سے اور قوی ہوگا ان سے اور اکمل ہوگا حالت میں ان سے۔ اور جب کہ ثابت ہوگئی یہ بات پس کہتے ہیں کہ کمال قدرت اللہ تعالیٰ کی معلوم ہے متفق علیہ ہے اور

فرشتوں کی کمال قدرت غیر معلوم اور غیر متفق علیہ ہے بلکہ متفق علیہ یہ بات ہے کہ قدرت فرشتوں کی بمقابلہ قدرت اللہ کے قلیل اور حقیر ہے۔

فائدہ ۔مطلب یہ ہوا کہ فرشتے یا انبیاء باوجود بزرگ ہونے کے اللہ کے مقابلہ میں ہیچ ہے، انکو کچھ قدرت نہیں اللہ کی صفات میں یعنی طلب وحاجات یا آسمان وزمین کی پیدائش میں یا مینہ کے برسانے میں یا علم غیب وغیرہ میں، یہ سب کام اللہ ہی کے چاہنے اور اسی کے ارادہ سے ہوتے ہیں۔اس سے اوپر کی آیت میں ہے ﴿فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِيْلًا﴾ یعنی اللہ کے سوا کوئی خواہ بزرگ ہو یا فرشتہ یا نبی کوئی ضرر کو دور نہیں کرسکتا جب تک اللہ نہ چاہے۔پس اصل مالک ہر چیز کا اللہ ہے۔

پھر ایسی طاقت والی ذات کو چھوڑ کر کم طاقت والے کا وسیلہ ڈالنا اور اللہ کی سی صفتیں ان میں ثابت کرنا یہ قرآن کے خلاف کرنا ہے۔اور جب خود انبیاء وملائکہ اللہ ہی کی عبادت اور اسی کا وسیلہ ڈھونڈھتے تھے، تو انبیاء اور فرشتوں کا وسیلہ کیا تھا؟ اگر عمل تھا تو امت کے لئے بھی وہی ہے۔اور اگر کوئی اور چیز تھی تو امت کیلئے بھی وہی ہوسکتی ہے نہ کہ ذات انبیاء۔

احادیث میں اس معنٰی کی تصدیق بکثرت ہے جو تیسری فصل میں مذکور ہوگی ان شاء اللہ تعالی۔پس اب لائن بالکل صاف ہے اب ہم قائلین توسل بالذات کے ادلہ بیان کر کے ان کے جوابات شروع کرتے ہیں۔ناظرین غور سے دیکھیں اور انصاف سے کام لیں۔

قائلین توسل باالذات کی پہلی دلیل غالباً بلکہ یقیناً قائلین توسل باالذات کی یہ پہلی دلیل ہے ﴿قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ ابْتَغُوا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ﴾ (پ۶ سورۃ مائدہ) یعنی اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ ڈھونڈو۔ وجہ استدلال یہ کرتے ہیں کہ اس آیت میں تین امور کا ذکر ہے (۱) قرب کا طالب ہونا (۲) اللہ کا (۳) بذریعہ وسیلہ کے۔ وسیلہ سے انکی مراد انبیاء کی ذات ہے، لیکن اس پر سوال وارد ہوسکتا ہے کہ وسیلہ کو ذات پر خاص کرنے کی کیا دلیل ہے؟ جس کا جواب یقیناً ان کے پاس کچھ نہیں۔

قائلین توسّل بالذّات کی پہلی دلیل کا معقول جواب ناظرین لفظ وسیلہ کے معنی سامنے رکھ کر اور انبیاء علیہم السلام کا وسیلہ خیال کر کے غور کریں تو اس وسیلہ کے معنی بالکل صاف ہیں یعنی اللہ کا قرب اعمال صالحہ کے ذریعہ حاصل کرو، یا اچھے اعمال کر کے خود بھی اللہ کی درگاہ میں دعا مانگ کر اعلیٰ رتبہ چاہو اور زندہ بزرگان دین کو بیچ میں ڈال کر ان سے بھی اپنے اعلیٰ مراتب حاصل کرنے کے لئے دعا کراؤ یا کسی مصیبت سے چھٹکارے کے لئے ایسا کرو، چنانچہ اس معنی کی تائید کلام مجید خود کرتا ہے فرمایا ﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ

يَرْشُدُوْنَ. ﴾ (سورہ بقرہ) یعنی جب میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو تم کہدو کہ میں بندوں سے نزدیک ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا اور قبول کرتا ہوں ۔پس بندوں کو بھی چاہئے کہ میری باتیں قبول کریں اور میرے احکام پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں۔

فائدہ۔اس آیت میں قطعی فیصلہ فرمادیا اور توسل بالذات کو بالکل ختم کردیا اور واضح کر دیا کہ اللہ کی جناب دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں ہے اس لئے کہ وہ سینوں کے خیال سے بھی واقف ہے بخلاف دنیا کے بادشاہوں کے کہ ان کو اپنے پیچھے تک کا علم نہیں ہوتا ،اس لئے اللہ پاک نے یہ نہیں فرمایا کہ قبول کروں گا میں دعاء کو بوسیلہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات پاک کے یا دیگر کسی ذات کے، بلکہ فرمایا ہے کہ ہر داعی کی پکار کو سنوں گا بلا کسی واسطے کے۔ جب اس نے اپنے کلام پاک میں ہر دعاء کو بلا واسطے سننے کو پسند فرمایا ہے،تو اب کس عقلمند کے نزدیک راہ راست کو چھوڑ کر واسطے کی ضرورت ہے۔ واسطے کی ضرورت اس جگہ ہوتی ہے کہ جہاں براہ راست کام نہ چل سکے۔مسلمانوں کا رب ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنا کام کسی کی ذات پر منحصر کر کے بندوں کی بندش کردے دنیا میں دیکھ لو !اللہ کی ساری نعمتیں عام ہیں۔ پانی غریب، امیر، چھوٹا، بڑا، عالم و جاہل، مرد و عورت سب کو میسر آتا ہے۔ اسی طرح آگ، ہوا، بارش، گرمی، سردی، اناج، پھل، پھول، تندرستی وغیرہ،

دوسری جو اس مسئلہ کو قرآن کے بانی نے یوں حل کیا ہے ﴿ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا. ﴾ (سورۃ نساء) یعنی اللہ اپنے بندوں کو عذاب کر کے کیا لیگا بشرطیکہ بندے اللہ کی نعمت کی قدردانی کریں اور اس پر ایمان لائیں۔ اور اللہ پاک قدردان ہے بندوں کے اعمال کا اور جاننے والا ہے۔

فائدہ:۔ اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالی نے ہر مصیبت سے چھٹکارے کے لئے ایمان اور شکر کو بتلایا جو اعمال صالحہ کا اول رکن ہے اور اللہ سبحانہ وتعالی نے کسی آیت میں نہیں فرمایا کہ محض وسیلہ بلا عمل بھی کام آسکتا ہے بلکہ اس کے خلاف موجود ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ يَا نُوْحُ اِنَّهُ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ (سورۃ ہود) یعنی جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کو کشتی پر بلایا کہ کسی طرح اللہ کے عذاب سے چھٹکارا پائے تو اللہ کی طرف سے اسی وقت وحی آگئی کہ کنعان کے بارے میں آپ کی سفارش نہیں سنی جائیگی۔ اس لئے کہ اس کے عمل اچھے نہیں اور آئندہ ایسے سوال نہ اٹھائیں۔

اے جناب ! جب حضرت نوح علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کو اللہ پاک نے وسیلہ سے روکدیا اور ان کا وسیلہ کچھ کام نہ آیا محض اس لئے کہ کنعان کے عمل اچھے نہ تھے، تو پھر کس شخص کی یہہ جرات ہوسکتی ہے کہ وہ بغیر کسی عمل صالح کے وسیلہ سے فائدہ اٹھا سکے۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کا وسیلہ کیا تھا، محض اللہ سے دعاء جو غیر مسموع ہوئی۔

نہایت ہی غور کا مقام ہے کہ جو لوگ رات دن وسیلہ کو رٹتے ہیں وہ کلام مجید سے کتنے غافل ہیں۔ کلام مجید بآواز بلند پکار رہا ہے۔ ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۞ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ ۞ (سورہ عصر) ایضاً ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ ۞ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ (سورۃ تین) یعنی انسان کے لئے اگر کچھ اللہ کے ہاں کام آنے والی، عذاب کو دور کرنے والی، رتبہ کو بڑھانے والی اللہ کا دیدار نصیب کرانے والی چیز ہے تو وہ ایمان اور عمل صالح ہی ہیں، دگر ہیچ

یہی معنی ہیں ﴿ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ ﴾ یعنی جو اللہ کا ہو رہے گا تو اللہ بھی اس کا حامی و مددگار ہوگا۔ قرآن و حدیث میں وسیلہ جس جگہ ہے اس جگہ ایمان لانا اور عمل صالح کرنا اور اللہ کی درگاہ میں دعاء کرنا اور بزرگان دین سے اللہ کی درگاہ میں دعاء کرانا بس اس کا نام وسیلہ ہے دگر ہیچ۔ ایک آیت میں اللہ پاک نے بالکل فیصلہ کر دیا، فرمایا، ﴿ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ (سورہ زخرف) یعنی تم جنت کے وارث محض اعمال کی بناء پر کئے گئے ہو فیصلہ ہوا جنت سے اعلیٰ رتبہ اور کس چیز کا ہو سکتا ہے کہ جس میں ہر مایشاء موجود ہے۔ اس رتبہ کا دارومدار بھی محض اعمال صالحہ پر ہے۔ اور یہی وسیلہ ہے بقولہ ﴿ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ ﴾ یہ چند آیتیں بطور مشتے از خروارے لکھدی گئی ہیں۔ قانون آسمانی اس قسم کی باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ ایک آیت لکھ کر ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ اس آیت میں

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں بتلا دیا کہ انبیاء کا وسیلہ یہ ہے۔ فرمایا ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى. الآيه﴾ (سورہ توبہ) یعنی نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکین کے لئے استغفار مانگیں اگرچہ ان کے قرابتی رشتہ دار ہوں۔

فائدہ ۔ اس آیت سے معلوم ہوگیا کہ انبیاء کا وسیلہ کسی کو مصیبت سے دور کرنے کے لئے محض اللہ کی جناب میں دعاء مانگنے کا نام ہے اور وہ بھی مخصوص ہے مسلمانوں کے ساتھ داعی کی حین حیات (زندگی) میں بس ۔

۲ دوسری دلیل جب آدم علیہ السلام نے گناہ کیا۔ اپنا سر اٹھایا تو کہا، سوال کرتا ہوں میں ساتھ سچے نبی ہونے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے یہ کہ بخش دے تو مجھکو۔ بس وحی کی اللہ نے کہ کون محمدؐ؟ آدم علیہ السلام نے کہا اے تبارک اسمک جب کہ پیدا کیا تھا تو نے مجھ کو تو میں نے تیرے عرش کو دیکھا تھا تو اسمیں لکھا ہوا تھا ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ ﴾۔ پس جان لیا میں نے، تحقیق نہیں ہے کوئی جو زیادہ بڑا ہو رتبہ میں اس شخص سے کہ کیا تو نے نام اس کا اپنے ساتھ، پس وحی کی اللہ نے اے آدمؑ تحقیق وہ آخری نبی ہے تیری اولاد سے اور اگر نہ ہوتا وہ، نہ پیدا کرتا میں تجھکو۔

قائلین توسل بالذات اس سے دلیل پکڑتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بحق محمد نبی صلعم کا وسیلہ پکڑا تھا۔

دوسری دلیل کا معقول جواب ÷ اس کے تین جواب ہیں۔ (۱) محمد صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ ایک بالذات ہے دوسرے بالنبی۔ اور نبی اعمال کی شق ہے یعنی جو محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو نبی جان کر کچھ دعاء مانگے یا اللہ کے عرش کو حق جان کر اللہ سے کچھ طلب کرے تو یہ طالب اور مطلوب کے درمیان جو نبی کا یا عرش کا واسطہ ہے یہ با لذات نہیں ہے بلکہ بحق محمد ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو سچا نبی مان کر اللہ سے کسی چیز کا طالب ہوتا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالذات وسیلہ نہ ہوئے بلکہ آپ کا نبی برحق ماننا یہ وسیلہ ہوا۔ اور آپ کا نبی برحق ماننا یہ عین ایمان اور عمل صالح ہے اسی واسطے لفظ بحق محمد ہے نہ کہ صرف بمحمد، بس یہ وسیلہ بالاعمال ہے نہ کہ بالذات باقی لفظ بحق کی بحث آئندہ آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۲) یہ نص قطعی کے خلاف ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے ﴿فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ (سورہ بقرہ) اور وہ کلمات یہ تھے ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾۔ (سورہ اعراف) یعنی اے رب ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا، اور اگر نہ بخشے گا تو ہم کو اور نہ رحم کرے گا تو ہم پر تو ہم ظالموں میں سے ہو جائینگے۔

فائدہ۔ یعنی بلا کسی واسطہ کے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی تھی اور اسی طرح کلام مجید میں ہر خاطی کی دعاء کا ذکر ہے کہ بلا کسی واسطہ کے اللہ تعالیٰ سے مانگتے تھے۔ جیسا کہ اللہ نے خبر دی فرمایا ﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّا اِيَّاهُ﴾ (سورہ بنی اسرائیل) یعنی جب انسان کو دریائی تکلیف پہنچتی ہے بھول جاتا ہے سب کو اللہ کے سوا۔

فائدہ۔یعنی خالص اللہ سے اپنی حاجتیں مانگتا ہے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا جب کہ اللہ پاک نے ان کو منع کر دیا تھا کہ ﴿وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾. یعنی ظالموں کے بارے میں مجھ سے کچھ سفارش نہ چاہنا، یہ سب کے سب ڈبوئے جائینگے۔اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کے لئے پدری محبت سے اللہ کی جناب میں دعاء مانگی کہ ﴿اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ﴾ (سورہ ھود) یعنی تیرا وعدہ ہے کہ تیری اہل کو میں نجات دوں گا۔اور میرا بیٹا میرا اھل ہے اس کو نجات دے جواب ملا ﴿اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنِّیْٓ اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ﴾۔(سورہ ھود) یعنی کنعان تیری اہل نہیں ہے، اس کے عمل گندے ہیں۔لا یعنی سوال میری جناب میں نہ کرو، ہم تم کو نصیحت کرتے ہیں ایسا نہ ہو کہ تم جاہلوں کا کام کرو۔یہ بات سن کر حضرت نوح علیہ السلام نے دعاء کی: ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾۔(سورہ ھود) یعنی اے رب! میں حمایت چاہتا ہوں تیری بے جا سوالوں سے اور اگر تیری بخشش مجھ پر نہ ہوگی اور تو رحم نہ کرے گا تو ہو جاؤں گا میں ٹوٹا پانے والوں سے۔

فائدہ. بلا کسی واسطہ کے جناب باری سے دعاء مانگتے تھے، اور یہی وسیلہ نبیوں کا تھا یعنی

استغفار، کما مرّ۔

﴿ ایضاً فَادْعُ لَنَا رَبَّکَ ﴾ (سورہ بقرہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا کہ تم خدا کی درگاہ میں دعا مانگو۔ ایضاً ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴾ ۔الآیہ (سورہ بقرہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء ہے۔

غرض کلام اللہ میں جمیع انبیاء کی دعاء بلا واسطہ و وسیلہ ہے کسی جگہ کسی نبی یا غیر نبی کی دعاء بالواسطہ مذکور نہیں، جسکا جی چاہے کلام مجید اول سے آخر تک دیکھ لے۔

(۳) یہ روایت جھوٹی ہے۔ صارم المنکی فی الرد علی السبکی میں ہے ﴿ حَدِیْثٌ مَّوْضُوْعَةٌ لَا یَخْفٰی عَلٰی مَنْ تَاَمَّلَ مِنْ اَهْلِ الصَّنْعَةِ ﴾ یہ روایت جھوٹی ہے ہر اہل علم اس کو جانتا ہے۔ ﴿ ایضاً وَقَدْ حَکَمَ عَلَیْهِ بَعْضُ الْاَئِمَّةِ بِالْوَضْعِ ﴾ ۔محدثین نے اس روایت پر بہت جرح کی ہے اور موضوع ثابت کیا ہے موضوع روایت سے دلیل پکڑنا اور کلام مجید کی آیت کے خلاف چلنا مومن سے بعید بلکہ ابعد ہے۔ اس کے متعلق مزید دلائل تفسیر ستاری تحت آیت ﴿ فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ کَلِمٰتٍ. الآیہ ﴾ میں ملاحظہ ہوں۔

تیسری دلیل ۳: ۔ایک نابینا نے حضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میرے واسطے صحت یابی یعنی آنکھوں میں روشنی کی دعاء فرما دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا اگر تو چاہتا ہے تو دعاء کروں اور اگر صبر کرے تو تیرے

واسطے بہتر ہے اس نے عرض کیا جناب دعاء ہی فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا اچھی طرح وضو کر کے دعا مانگ ﴿ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّی تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِی حَاجَتِیْ لِتَقْضِیَ لِیْ اَللّٰھُمَّ شَفِّعْہُ فِیَّ ﴾

نیز معجم طبرانی میں ہے کہ ایک شخص کو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کچھ ضروری کام تھا۔ جب وہ شخص حاضر خدمت ہوتا، امیر المومنین اس کی طرف کچھ توجہ نہیں فرماتے تھے۔ اس شخص نے حضرت عثمان بن حنیف صحابی سے کہا، انہوں نے اس کو یہ حکم دیا کہ وضو کر کے مسجد میں جا اور دو رکعتیں پڑھ اور اس طرح دعاء مانگ ﴿ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ لِیَقْضِیَ حَاجَتِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ ﴾ اس شخص نے عمل کیا۔ پھر امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوا۔ امیر المؤمنین کا دربان آیا، ہاتھ پکڑ کر امیر المؤمنین کے پاس لے گیا۔ امیر المؤمنین نے اس کو مسند پر بیٹھایا اور اس کی ضرورت اور حاجت کو دریافت کر کے پورا کر دیا اور فرمایا اس کے سوا اور کچھ ضرورت ہو تو بتلا۔ وہ شخص چلا گیا اور عثمان بن حنیف صحابی سے ملا اور کہا جزاک اللہ خیراً۔ شاید آپ ہی نے میری سفارش امیر المومنین سے کر دی ہوگی۔ انہوں نے کہا واللہ میں نے کلام تک نہیں کیا۔ میں نے تو اس سبب سے یہ عمل تم کو بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم نے نابینا کو بتلایا تھا۔

تیسری دلیل کا معقول جواب ۔ یہ دو حدیثیں ہیں، ایک مرفوع ہے دوسری قول صحابی ہے ۔ پہلی حدیث ترمذی وغیرہ کی ہے اور دوسری معجم کبیر طبرانی کی ۔ مرفوع حدیث میں تو قائلین توسل بالذات کی کوئی دلیل نہیں بلکہ تردید ہے اور مانعین توسل بالذات کی بڑی مضبوط دلیل ہے کیونکہ توسل کے عالم حیات میں وہ قائل ہیں اور اس توسل سے مراد وہی دعاء رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے چنانچہ متنِ حدیث اول سے آخر تک اسی پر شاہد ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا توسل اس طرح کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر تو کہے تو دعا کروں ۔ پس یہی توسل انبیاء کا ہے اور اسی کے اولیاء ومحدثین وائمہ کرام قائل ہیں ۔

اس کے بعد اس سے وضو کرا کر دو رکعتیں نماز پڑھوائیں جو عین ایمان اور عمل صالح ہے، دوسری قسم توسل کی یہ ہوئی ۔ اس کے بعد اس سے اللہ کی درگاہ میں بایں معنی دعا کرائی اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں (اور کسی سے نہیں) اور تیرے نبی کو تیری طرف متوجہ کرتا ہوں جن کا نام محمد ہے رحمۃ للعالمین اے محمد رتحقیق میں متوجہ کرتا ہوں تجھ کو اپنے رب کی طرف اپنی حاجت کے لئے (یعنی تم اللہ کی درگاہ میں دعا مانگو) اے اللہ پورا کر دے تو میری اس حاجت کو، اے اللہ سفارش قبول کر تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میرے بارے میں ۔

اس دعا میں بھی اللہ پاک سے طلب کرنا ہے نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اور کسی سے اور خدا کی درگاہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی برحق مان کر پیش کر رہے ہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی ماننا یہ عین ایمان اور عمل صالح ہے جیسا کہ پہلے گذرا پس اس جگہ بھی لفظ محمد کا وسیلہ نہیں ہے جو ذاتی وسیلہ، ہو بلکہ نبی کا وسیلہ ہے یعنی ایک حق بات کو حق مان کر اللہ سے التجا کرتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ﴿اَلْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ﴾ ، پس اگر کوئی شخص اس طرح جناب باری میں دعا کرے ﴿اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَالْعَرْشِ وَالْكُرْسِيِّ وَالسَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِغْفِرْلِیْ﴾ یعنی اے اللہ جنت اور جہنم عرش اور کرسی، آسمان اور زمین برحق ہیں تو مجھ کو بخش دے، تو یہ وسیلہ جنت اور جہنم کا نہ ہوگا بلکہ انکے سچے ماننے کا ہوگا اور انکا سچا ماننا یہ عین ایمان اور عمل صالح ہے۔ پس وسیلہ دراصل عمل صالح کا ہوا نہ کہ نبی کی ذات کا۔ اگر نبی کی ذات کا ہوتا تو صرف لفظ محمد ہوتا اور ان کی کسی قسم کی تصدیق نہ ہوتی ﴿وَلَيْسَ كَذٰلِكَ﴾ ۔ پس یہ حدیث قائلین توسل بالذات کے لئے کسی طرح مفید مطلب نہیں۔ (علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کی ذات کی طرف متوجہ کرنا اور شفیع کرنے کے کیا معنی؟ الفاظ حدیث خود اس کا جواب دینگے۔ آپ پہلے فرما چکے ہیں کہ اگر تو چاہتا ہے تو دعاء کروں۔ (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعاء کرنا اس کے حق میں یہ آپ کا اس کی طرف سے اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور شفیع ہونا ہے اور یہی آپ کا وسیلہ ہے،) اس لئے کہ جس شخص کو شفیع ٹھرائے گا لازمی امر ہے کہ جب وہ خود بھی اس کی سفارش کرنے کو قبول کرے،

اور جو اللہ کی جناب میں سفارشی ہوتا ہے وہ لازمی طور پر اللہ کی درگاہ میں اس کے لئے دعاء مانگتا ہے۔ پس بہر صورت وسیلہ اعمال اور دعاء کا نام ہے محض ذات کا وسیلہ، چیز ے نیست

-

دوسری روایت یعنی قول صحابی کا بھی یہی مطلب ہے کہ طلب حاجات اللہ سے ہے، نہ بندوں سے۔ اور وسیلہ اعمال کا ہے نہ کہ آپ کی ذات کا، اگر آپ کی ذات کا ہوتا تو لفظ نبی کی کوئی ضرورت نہیں، صرف محمد کافی تھا۔ اور وہاں لفظ محمد سے پہلے ﴿ بِنَبِیِّکَ ﴾ موجود ہے یعنی نام لینے سے پہلے رسالت کا اقرار عین ایمان اور عمل صالح ہے لہٰذا وہاں پر بھی وسیلہ بالعمل وبالدعاء ہے نہ بالذات اور اس آدمی کا عثمان بن حنیف صحابی سے یہ کہنا کہ شاید آپ ہی نے میری سفارش امیر المومنین سے کی ہوگی صاف بتلاتا ہے کہ وہ زندہ آدمیوں کی سفارش کو وسیلہ سمجھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ زندہ نہ تھے اس لئے ان کے وسیلہ کی طرف مطلقاً خیال نہ ہوا۔ حالانکہ الفاظ حدیث میں ﴿ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ ﴾ موجود تھا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا وسیلہ ہوتا تو وہ آدمی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی سفارش کی طرف خیال نہ کرتا۔ اور حضرت عثمانؓ اس کو جواب میں کہہ دیتے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا طفیل ہے حالانکہ حضرت عثمانؓ نے بھی اس کو ایسا نہیں کہا اس لئے وہ جانتے تھے کہ وسیلہ کسی کی جناب میں سفارش کرنے کا نام ہے اور یہ کام زندوں کا ہے نہ قبر والوں کا۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ مانا جاوے تو لازم آئے گا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے امتی کے سامنے سفارش کریں حالانکہ سفارش اعلیٰ کے سامنے ادنی لے جاتا ہے، نہ کہ اعلیٰ ادنیٰ کے سامنے ﴿كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ وَيَعْلَمُ النَّاسُ .﴾

پس مطلب بالکل صاف ہے کہ وسیلہ زندوں کی محض سفارش کا نام ہے اور زندوں کی سفارش اللہ کی درگاہ میں محض دعاء مانگنے کا نام ہے، دگر ہیچ

قطع نظر ہر جواب کے اس قول سے دلیل پکڑنا محض مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہے جو کسی طرح بن نہیں سکتا۔ جلاء العینین مصنفہ سید نعمان خیر الدین الشہیر بابن الآلوسی البغدادی میں ہے، ﴿اِنَّ اِمَارَاتِ الْوَضْعِ لَآئِحَةٌ عَلَيْهِ فَكَيْفَ يُعَارِضُ بِهِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَعَمَلَ الصَّحَابَةِ﴾ یعنی اس روایت آخری پر موضوع ہونے کے آثار صاف نمایاں ہیں۔ پس یہ روایت کتاب اللہ وسنت رسول اللہ وعمل صحابہ کا کیسے مقابلہ کرسکتی ہے۔

چوتھی دلیل:۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ استسقاء کے لئے جو عباسؓ کو لے گئے تھے تو وہ محض نبی کا خیال کر کے یعنی چچا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، اور قرابت کا جتانا حضور ہی کا ذریعہ پیش کرنا ہے۔ اور اگر حضرت عباس ہی سے وسیلہ پکڑا تو اس سے خود حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کا انکار نہیں۔

چوتھی دلیل کا معقول جواب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو لے جانا اس بات پر صاف شاہد ہے کہ وسیلہ دعاء مانگنے کا نام ہے اور چونکہ حضور کا انتقال ہو چکا اس لئے یہ عہدہ غیر کو دیا جاتا ہے۔

اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ قرابت رسول عین رسول اللہ ہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ حضرت عباسؓ بھی اللہ کے رسول تھے۔ اور یہ کوئی مسلمان من حیث الاسلام نہیں کہہ سکتا۔

پس نتیجہ بالکل صاف ہیکہ حضرت عباسؓ کا وسیلہ کیا تھا؟ ان کی دعاء سے بارش کا ہونا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائم مقامی محض ان کی قرابت تھی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ﴿اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَیُسْقَوْنَ﴾ (صحیح بخاری) یعنی اے اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے پہلے ہم نبی کا وسیلہ تجھ تک لاتے تھے یعنی تیرے نبی سے دعاء کراتے تھے، پس تو ہم کو بارش پہنچاتا تھا اور اب ہم وسیلہ بناتے ہیں تیری طرف حضور کے چچا کی دعاء کو، پس پلا دے تو ہم کو۔ پس بارش برسائے جاتے تھے۔

فائدہ ۔ جو وسیلہ نبی کا تھا وہی حضرت عباسؓ کا تھا۔ (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اگر محض آپ کی ذات ہوتی تو جنگل میں جانے اور اللہ سے دعا مانگنے کی کیا حاجت تھی۔) اور آپ کی ذات ہوتے ہوئے قحط سالی کے آنے کے کیا معنی؟ پس معلوم ہوا کہ نبیوں کا وسیلہ یہ ہے کہ مسلمان ان کو ہمراہ لیکر اللہ سے خود بھی دعا مانگیں اور اللہ کے نبی سے بھی دعاء کروائیں۔ اور نبی کے قرابتی کا وسیلہ بھی یہی ہے کہ وہ اللہ سے دعا مانگیں۔

حدیث میں دو لفظ قابل غور ہے۔ ایک ﴿نتوسل﴾ دوسرے ﴿بنبینا﴾ اور ﴿بعم نبینا﴾ یہ دونوں لفظ بتلاتے ہیں کہ ایک تو اللہ کے ہاں دعا مانگنا ہے جس کو وسیلہ

کہتے ہیں دوسرے دعا وہ شخص مانگے جو قوم میں زیادہ بزرگ ہو۔ پس ﴿بعم نبینا﴾ کا یہ مطلب ہے کہ قوم میں زیادہ بزرگ تھے۔ لیکن یہ زیادہ بزرگ ہونا یہ عین وسیلہ نہیں ہے بلکہ وسیلہ کا ذریعہ ہے۔ اگر وسیلہ اور وسیلہ کا ذریعہ ایک ہوتا تو لفظ ﴿بنبینا اور بعم نبینا﴾ کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی چنانچہ عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

﴿بَیانُہٗ اَنَّھُمْ کَانُوا اِذَا اسْتَسْقَوا کَانُوا یَسْتَسْقُونَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی حَیَاتِہٖ وَ بَعْدَہٗ اسْتَسْقٰی عُمَرُ بِمَنْ مَّعَہٗ بِالْعَبَّاسِ عَمِّ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَعَلُوْہُ کَالْاِمَامِ الَّذِی یَسْئَلُ فِیْہِ لِاَنَّہٗ کَانَ اَمَسَّ النَّاسِ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَ اَقْرَبَھُمْ اِلَیْہِ رَحِمًا فَاَرَادَ عُمَرُ اَنْ یَّصِلَھَا لِیَتَّصِلَ بِھَا اِلٰی مَنْ یَاْمُرُ بِصِلَۃِ الْاَرْحَامِ﴾. ترجمہ یہ ہے کہ ان کی عادت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم سے استسقاء ان کی عالم حیات میں کرتے تھے۔ اور بعد وفات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرؓ نے مع دیگر حضرات عباسؓ سے استسقاء کیا اور ان کو ایسا امام بنایا کہ وہ دعاء کریں اللہ کی درگاہ میں کیونکہ بہ نسبت اوروں کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اقرب تھے رحم کے اعتبار سے، پس حضرت عمرؓ نے اس قرابت کو ملحوظ رکھا۔

اور عینیؒ اس مقام پر لکھتے ہے کہ بنی اسرائیل کا دستور تھا کہ جب ان پر مشکل آتی تو اہل بیت نبوت سے دعا کراتے (یہ دعا کرنے کا لفظ) یہی وسیلہ ہے اور اہل بیت کا لفظ وسیلہ کا ذریعہ ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ اس مقام میں فرماتے ہے ﴿وَ یُسْتَفَادُ مِنْ

قِصَّةِ الْعَبَّاسِ اِسْتِحْبَابُ الْاِسْتِشْفَاعِ بِاَهْلِ الْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ اَهْلِ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَ فِيْهِ فَضْلُ عَبَّاسٍ وَ فَضْلُ عُمَرَ لِتَوَاضُعِهٖ لِلْعَبَّاسِ وَ مَعْرِفَتِهٖ﴾ ۔یعنی قصہ عباس سے یہ امر مستنبط ہوتا ہے۔کہ مستحب ہے صلحاء واخیار سے دعاء منگوانی اور اہل بیت نبوت سے اور مستنبط ہوتی ہے فضیلت عباسؓ و عمرؓ کی کہ انہوں نے تواضع کی اور حضرت عباس کا حق پہچانا۔

عبارت مسطورہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر صالح سے دعاء منگوانی درست ہے اور عباس کی فضیلت کی وجہ سے یہ دعا منگوائی گئی کہ ان میں دو باتیں جمع ہوگئی تھیں (۱) صالح واہل خیر ہونا (۲) قرابت رسول علیہ الصلوۃ والسلام۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں ﴿اِنَّ الْعَبَّاسَ لَمَّا اسْتَسْقٰى بِهٖ عُمَرُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ لَمْ يَنْزِلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَ لَمْ يُكْشَفْ اِلَّا بِتَوْبَةٍ وَ قَدْ تَوَجَّهَ الْقَوْمُ بِيْ اِلَيْكَ لِمَكَانِيْ مِنْ نَّبِيِّكَ وَ هٰذِهٖ اَيْدِيْنَا اِلَيْكَ بِالذُّنُوْبِ وَ نَوَاصِيْنَآ اِلَيْكَ بِالتَّوْبَةِ فَاسْقِنَا الْغَيْثَ ۔﴾ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عباسؓ نے اپنی قرابت کو سامنے ظاہر کر کے دعا مانگی اور یہ نہیں کہا ﴿وَ قَدْ تَوَجَّهَ الْقَوْمُ بِيْ اِلٰى نَبِيِّكَ بَلْ تَوَجَّهَ الْقَوْمُ بِيْ اِلَيْكَ لِمَكَانِيْ مِنْ نَّبِيِّكَ﴾ فرمایا اور ان کی ذات نبی کی ذات سے مغائر تھی۔پس دعوی قائل غلط ثابت ہوا کہ ان کا توسل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل تھا۔اگر یہی ہے تو ان کو بھی رسول ماننا پڑے گا۔حالانکہ یہ ناممکن ہے اقارب کی تمثیل میں ایک حدیث

گزارش ہے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا ﴿اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُّوسٰی اِلَّآ اِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِی﴾ (متفق علیہ) تیری مناسبت اے علی میرے ساتھ ایسی ہے جیسے ہارون کی موسیٰ کے ساتھ لیکن میرے بعد نبی نہیں ہے تو کیا اس نسبت سے یہ سمجھ لیں کہ حضرت علی عالم حیات میں نبی تھے کیونکہ ہارونؑ تو موسیٰ کی حیات میں نبی تھے آیۃ کریمہ ﴿فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ ترجمہ تم دونوں کہو کہ ہم رسول رب العالمین کے ہیں۔ اگرچہ بعد کی نبوت سے خود انکار فرمادیا۔ مگر ظاہر ہے کہ عالم حیات میں بھی وہ نبی نہ تھے، ہاں دوسرے قرب اخوت وخسریت وغیرہ کی قرابت سے انکی یہ فضیلت رسول اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی اسی طرح حضرت عباسؓ کی بزرگی وقرابت کا حضرت عمرؓ نے یہ خیال فرما کر اس پر عمل کیا، نہ یہ کہ ان کی ذات کو ذات سمجھا، اور اگر ذات سے توسل حضرت عمرؓ کو مقصود ہوتا تو پیغمبر کی ذات مطہر چھوڑ کر کیوں انکی طرف رجوع کرتے۔ اور حضرت عمرؓ کا مجمع صحابہ میں ایسا توسل گویا اجماع امت ہے عدم جواز توسل پر بعد وفات نبی علیہ الصلوۃ کے۔ اور یہی مطلب بیان کیا ہے عینی وامام ابن حجرؒ نے اور کسی نے لفظ ﴿عَمَّ﴾ سے دلیل توسل پر رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے نہیں پکڑی بلکہ اس کے خلاف بیان کیا ہے کہ ہر اہل خیر والصلاح واہل بیت اس امر کے مستحق ہیں اور قرابت ذریعہ وسیلہ ہے نہ کہ خود وسیلہ، جیسے ڈپٹی کمشنر ہونے کے لئے لیاقت کا ہونا، تو لیاقت ذریعہ ہے ڈپٹی کمشنر کے ہونے کا، نہ یہ کہ لیاقت خود ڈپٹی کمشنر ہے، اگر قرابت خود وسیلہ ہے تو نتوسل الیک

کے کیا معنی کئے جائیں گے؟ ﴿وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾

پانچویں دلیل:۔ ایک دفعہ مدینہ منورہ میں قحط شدید پڑا۔ لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی۔ حضرت صدیقہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور آسمان کے درمیان میں روزن کھول دو۔ بیچ میں چھت حائل نہ رہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا، خوب بارش ہوئی گھاس اگی، اونٹ موٹے تازے ہو کے چربی سے لد گئے۔ اس سال کا نام عام الفتق رکھا گیا۔

پانچویں دلیل کا معقول جواب:۔ اس کے تین جواب ہیں (۱) یہ کہ روزن کھولنا کس لئے تھا؟ اگر یہ مراد لی جائے کہ آپ کی ذات سے برکت ہو تو یہ محال بلکہ ناممکن ہے اس لئے کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ ہوتا تھا تو اس کی برکت اپنی طرف سے نہیں سمجھتے تھے بلکہ آسمان کی طرف اشارہ کرتے تھے کہ وہ نیلی چھت والا برکت دیتا ہے۔ مجھ میں برکت دینے کا کمال نہیں ہے، ملاحظہ ہو کتب صحاح۔ اور اگر کسی جگہ نسبت برکت کی آئی ہے تو وہ اللہ کی دی ہوئی ہے، اس حیثیت سے نہیں ہے کہ آپؐ خود اس کے موجد ہوں جیسے قیامت کی خبریں کہ وہ آپ نے اللہ کے بتلانے سے امت کو بتلائی ہیں اور امت کے بعض آپؐ کے بتلانے سے اوروں کو بتاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بعض وقت کسی کام میں برکت کرتا تھا، اس سے ذاتی وسیلہ یا ذاتی برکت سمجھنا بالکل ایسا ہے جیسے ﴿عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ﴾ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم الغیب

ہونا ثابت کرنا حالانکہ ہر بنی آدم کے لئے ﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ﴾۔ موجود ہے جس سے ہر بنی آدم کا عالم الغیب ہونا لازم آئے گا فرمایا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں جو تمام مسلمانوں کی مسلمہ کتاب ہے ﴿تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ یعنی بابرکت تو وہی ہے جو ہر شئی کا مالک ومختار ہے اور ہر چیز پر قادر ہے ﴿أَ اِلٰہٌ مَعَ اللّٰہِ﴾ کیا اور بھی کوئی ایسا ہے۔ ﴿ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ﴾ لے آؤ کوئی دلیل اگر سچے ہو۔ پس یہ معنی تو ہو نہیں سکتے کہ روزن کھولنے کی وجہ سے آپ نے برکت کی ہو اور بارش کا سلسلہ شروع ہوا ہو، اسی لئے اللہ پاک نے فرمایا ﴿وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ﴾ بارش کا برسانا اللہ ہی کا کام ہے۔ دوسری روایت میں ان ہی حضرت عائشہؓ سے مروی ہے جو پانچ باتوں میں سے کوئی سی بات کسی مخلوق کے لئے ثابت کرے، وہ بہت بڑا جھوٹا اور مفتری ہے اس میں سے ایک بارش کا برسانا بھی ہے۔ پس نتیجہ صاف ہے کہ یہ امر تو ناممکن اور خلاف شرع ہے کہ بارش کا برسانا آپ کی طرف سے ہو۔ البتہ اگر یہ مراد لی جائے کہ بارش اللہ کی رحمت ہے اور رحمت کا کسی انسان کو پہنچانا بھی ثواب کا کام ہے اور ثواب کا کام وسیلہ ہے ہر مصیبت سے ٹلنے اور رتبہ کے بڑھانے اور مراد کے حاصل کرنے کے لئے، اس لئے روزن کھلوایا تھا کہ اللہ پاک مسلمانوں کی دعاء سے بارش کریگا اور اس کا فیض آپ کو بھی پہنچے تو اس صورت میں بھی وسیلہ اعمال صالحہ کا نام ہے نہ کہ کسی اور چیز کا۔ اور یہ مطلب ان احادیث کے موافق بھی ہوگا کہ مُردوں کو زندوں سے فیض پہنچتا ہے جیسا

کہ احادیث صحاح میں ہے اور قرآنی تعلیم ہے ﴿رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ. الایۃ چنانچہ اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہؒ میں ہے۔ بَلْ قَدْ رُوِیَ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا اَنَّہَا کَشَفَتْ عَنْ قَبْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیَنْزِلَ الْمَطَرُ فَاِنَّہٗ رَحْمَۃٌ تَنْزِلُ عَلٰی قَبْرِہٖ وَ لَمْ تَسْتَسْقِ عِنْدَہٗ وَلَا اسْتَغَاثَتْ ہُنَاکَ ﴾۔ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روزن صرف اس لئے کھولا تھا کہ بارش کی رحمت حضور کو بھی حاصل ہو۔ نہ اس لئے کہ ان سے استغاثہ کیا ہو یا وسیلہ بنایا ہو۔

(۲) قائلین توسل بالذات کا مطلب اگر صحیح تسلیم کرلیا جائے تو یہ روایت مخالف ہو جائیگی اس روایت کے جو صحیح بخاری میں ہے ﴿عَنْ عَائِشَۃَ عَنِ النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِی مَرَضِہِ الَّذِی مَاتَ فِیْہِ لَعَنَ اللّٰہُ الْیَہُوْدَ وَ النَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِہِمْ مَسَاجِدَ قَالَتْ وَلَوْ لَا ذٰلِکَ لَاُبْرِزَ قَبْرُہٗ ﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرمایا ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرض میں کہ جس میں آپ کا انتقال ہوا لعنت کرے اللہ یہود و نصاری کو، پکڑا انہوں نے انبیاء کی قبروں کو جائے سجود عبادت، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت کی قبر کھولدی جاتی یعنی ظاہر کردی جاتی۔

حضرت عائشہؓ کیونکر حضرت رسول ﷺ کی قبر کو کھلوا دیتیں حالانکہ وہ علت نہ کھلنے

کی بیان فرمارہی ہیں اور اگر وہ روایت صحیح ہوتی تو حضرت عائشہ کے زمانے میں اور اسکے بعد جمیع صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین اس کو معمول بہ سمجھتے اور اوقات قحط میں رسول کی قبر سے اس طرح فائدہ حاصل کرتے حالانکہ یہ تعامل کہیں ثابت نہیں اور بخاری کی یہ حدیث آپ ﷺ کی قرب وفات کی ہے۔

(۳) یہ روایت بھی واہی ہے اس روایت میں ابوالجوزاءؒ ہیں ﴿یرسل کثیراً﴾ (تقریب) دوم عمرو بن مالک ہیں ﴿لَہٗ اَوْھَامٌ﴾ (تقریب) سوم سعید بن زید ہیں ضعیف (میزان) چہارم ابوالنعمان ہیں ﴿ثَبَتَ تَغَیَّرُ فِی آخِرِ عُمُرِہٖ﴾ (تقریب)

چھٹی دلیل ۔ خود امیر المومنین عمرؓ کے زمانے میں قحط پڑا ایک شخص نے قبر نبوی کے پاس آکر فریاد کی، اور عرض کیا یارسول اللہ! امت کے واسطے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ امت ہلاک ہوئی جاتی ہے۔ نبی ﷺ نے اسکو خواب میں تشریف لاکر فرمایا عمرؓ کے پاس جا اور سلام پہنچا اور کہہ اس سے کہ دانائی اختیار کر۔

چھٹی دلیل کا معقول جواب خواب کی تعبیر تو صاف ہے کہ عمر کے پاس جاؤ اور میری قبر پر نہ آؤ اور ان سے کہو کہ کہ دانائی اختیار کرے یعنی دعاء مینہ کے واسطے سنت کے موافق کریں یعنی یہ کام زندہ آدمی کے کرنے کا ہے، اہل قبور کا نہیں، اسلئے کہ سائل نے حضرت عمرؓ کی طرف سے پیغام نہیں دیا تھا کہ ان کو جواب ملتا اور اس وقت کوئی دوسرا کام

نہ تھا کہ دانائی کے واسطے تنبیہ کی جاتی بلکہ تعبیر اس خواب کی یہی ہے کہ حضرت ﷺ نے اس طریقہ مسنونہ کی تعلیم فرمائی۔ رہا نبی ﷺ کا خواب میں تشریف لانا، یہ کوئی امر بعید نہیں، عالم رؤیا میں ایسی بہت باتیں معلوم ہوجاتی ہے۔ قائلین توسل بالذات کو اس خواب نے کچھ فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ یہ ہمارے مدعاء کے واسطے دلیل ہے۔ دوم یہ کہ بسند صحیح اس کا ثبوت مطلوب ہے۔

ساتویں دلیل:۔ حضور اکرم ﷺ کی وفات سے تیسرے دن بعد ایک اعرابی آکر قبر نبوی پر گر پڑا اور قبر کی مٹی لے کر سر پر ڈالنے لگا اور عرض کیا یا رسول اللہ جو کچھ آپ نے فرمایا تھا ہم نے سنا اور جو کلام الٰہی آپ نے اللہ سے یاد کیا تھا ہم نے یاد کیا۔ اس کلام الٰہی میں یہ آیت بھی ہے ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا وَقَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَجِئْتُكَ تَسْتَغْفِرُ لِيْ فَنُوْدِيَ بِالْقَبْرِ اَنَّهٗ قَدْ غُفِرَ لَكَ﴾

ساتویں دلیل کا معقول جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں اکثر اہل بدعت اسی قسم کی موضوع روایات پیش کرتے ہیں تعجب ہے کہ حضرت علیؓ نے اس اعرابی کی حالت کو اس طرح دیکھا اور یہ عمل اپنے تنازعات میں نہ کیا مثلاً بیعت کے متعلق یا دیگر معاملات جوان پر پیش آئے۔ وہ قبر نبوی ﷺ کے پاس مراقب ہوکر سوال کرتے اور جواب شافی سنتے۔ اسی طرح فاطمہؓ طلب متروکہ رسول ﷺ ہیں سوال کرتیں اور

جواب سن کر حضرت ابوبکرؓ سے کشیدہ خاطر نہ ہوتیں حالانکہ یہ حضرات افضل امت تھے اسی طرح دیگر صحابہ کرام اور خود رسول اللہ کی زندگی میں آپ کے واقعات جیسا کہ حضرت عائشہؓ پر تہمت لگنے سے آپ کو رنج پہنچا تھا جب آپ میں خود یہ کمال تھا تو آپ کی زندگی میں بیسیوں واقعات آپ کے خلاف مرضی کیوں ہوئے فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿وَمَا تَشَائُوْنَ اِلَّا اَنْ یَشَاءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ﴾

(۲) یہ روایت جھوٹی اور موضوع ہے۔ الصارم المنکی میں ہے ﴿اِنَّ ھٰذَا خَبَرٌ مُنْکَرٌ مَوْضُوْعٌ وَ اَثَرٌ مُخْتَلَقٌ مَصْنُوْعٌ لَا یَصْلَحُ الْاِعْتِمَادُ عَلَیْہِ وَ لَا یُحْسِنُ الْمَصِیْرُ اِلَیْہِ وَ اِسْنَادُہٗ ظُلُمَاتٌ بَعْضُھَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ یعنی یہ راویت موضوع اور گھڑی ہوئی ہے اور منکر ہے اعتماد کے لائق نہیں اور اس کے اسناد میں بہت اندھیرے ہیں یعنی بالکل واہی اسناد اور غلط روایت ہے۔

آٹھویں دلیل:۔ قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے بعد وفات عالم برزخ میں وسیلہ پکڑنا ثابت ہے۔

آٹھویں دلیل کا معقول جواب:۔ امام قسطلانی یا کوئی صاحب وہ طرق صحیحہ نقل کر دیتے تو ہم ممنون ہوتے، اسی غلط اور ضعیف اسناد و بیجا معنی سے تو ہم کو معاف فرمائیں۔ اور وہ طرق صحیحہ بتاتے جائیں جو اہل اسلام کے لئے حجت ہو سکیں۔ اِنِّی رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ سے بیجا استدلال کر کے گیارھویں ماننے والے ہم نہیں ہے، کیونکہ ہمارے نبی

ﷺ نے یہ مطلب نہیں بتایا۔ زیادہ بحث ہم اس کی تیسری فصل میں کریں گے انشاء اللہ کہ امامان دین و بزرگان واولیاء اللہ، خود ایسے ذاتی وسیلوں اور قبروں کے شرکیات سے بیزار تھے ﴿وما توفیقی الا با اللہ﴾

دیں دلیل :۔ بعض الناس بوجہ جہالت اس آیت کو بھی وسیلہ بالذات پر پیش کرتے ہیں ﴿وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ﴾ (پ ۱ ع ۱۱) یعنی یہودی نبی ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے کفار پر نبی ﷺ کا وسیلہ ڈالکر فتح مانگتے تھے پس جب کہ وہ مبعوث ہوگئے اور آپ کی صفات بھی معلوم ہوچکیں تو کافر ہوگئے۔ وجہ استدلال یہ کرتے ہیں کہ قرآنی شہادت اس امر پر موجود ہے کہ یہود نبوی وسیلہ ڈالتے تھے۔

نویں دلیل کا معقول جواب :۔ آیت کا مطلب تو صرف اتنا ہے کہ یہود قبل از بعثت نبی محمد ﷺ کی حقانیت کا اقرار کر کے اللہ سے دعاء مانگتے تھے اور کفار پر فتح چاہتے تھے اس کو توسل بالذات نہیں بلکہ توسل بالعمل کہتے ہیں یعنی محمد ﷺ کو نبی برحق مانکر جو انکی کتاب تورات کا ایمانی مسئلہ تھا اللہ سے دعا مانگتے تھے اور کہتے تھے۔ ﴿اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا بِنَبِيِّ آخِرِ الزَّمَانِ الْمَنْعُوْتِ فِي التَّوْرٰةِ﴾ یعنی اے اللہ تو مدد کر ہماری (تیرے سوا اور کوئی مدد نہیں کرسکتا) بہ سبب اس بات کے کہ ہم اس نبی کو جس کی خبر تو نے ہماری تورات میں دی ہے نبی آخر الزمان مانتے ہیں۔ اے جناب! جس اللہ کے نبی کو اللہ کی کتاب سے نبی برحق مانا جائے یہ نبی کا توسل ہوا یا نبی کے برحق ماننے کا،

ذرا انصاف درکار ہے اسی واسطے لفظ نبی ''ب'' سببیہ کے بعد واقع ہوا ہے یعنی ہم اس نبی کو جسکی صفت تو نے تورات میں بیان کی ہے نبی برحق مان کر تجھ سے التجاء کرتے ہیں کہ تو کفار پر ہم کو فتح دے جیسے کوئی کہے کہ جہنم اور قبر کے عذاب کو برحق مانکر ہم تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ ان کے شر سے تو ہم کو بچانا تو یہ توسل قبر اور جہنم کا نہیں کہلاتا بلکہ ان کو برحق ماننے کا کہلاتا ہے، اور ان کو برحق ماننا یہ عمل صالح ہے پس درحقیقت توسل عمل صالح کا نام ہے اور بس۔

مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ ! تو اپنے آخرالزماں نبی کو جلد بھیج تا کہ ہم اس کے ہمراہ ہوکر کافروں سے لڑیں اور فتح کے لئے اس سے دعا کرائیں پس آیت اور ادعیہ کا مطلب بالکل صاف ہے کہ جس نبی کی صداقت تمہارے دلوں میں اس قدر تھی کہ اس کو سچا مان کر اللہ تعالی سے کفار کی شکست کی دعاء مانگتے تھے پس جب کہ وہ مبعوث ہو چکے اور کھلے نشان اس کی صداقت پر ظاہر ہو چکے اب تم کو کون سی شے اس کی رسالت سے مانع ہے۔ سارا جھگڑا آپ کی رسالت پر ہے جو درحقیقت وسیلہ تھا نہ کہ آپ کی ذات پر جو وسیلہ کا ذریعہ ہے۔

دوسرا مطلب: ایک مطلب آیت کا یہ بھی ہے کہ یہود جب اپنی کتاب تورات میں نبی ﷺ کی نعت کو پڑھتے تو عرب سے دریافت کرتے کہ آیا وہ نبی پیدا ہوا یا نہیں۔ پس جب مبعوث کئے گئے تو منکر ہو گئے آپ کی رسالت کے۔

تیسرا مطلب:۔ یہود کا اس طرح پر دعاء کرنا کوئی آسمانی حکم نہیں تھا بلکہ اپنی

طرف سے ایسا کرتے تھے۔﴿وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ﴾ بھی اسی کا موئد ہے۔

چھوتھا مطلب :۔ یہود جو اس طرح پر دعاء کرتے تھے تو وہ آنیوالی چیز کے ساتھ کرتے تھے نہ کہ مری ہوئی چیز کے ساتھ۔ اور آنے والی اور مری ہوئی چیز میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قیامت کے متعلق اللہ پاک نے فرمایا ﴿اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ﴾ یعنی آ گیا اللہ کا حکم۔ مطلب یہ کہ جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہے اور مرے ہوئے کے لئے فرمایا﴿ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ﴾ اس سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے۔ مطلب یہ کہ گزری ہوئی چیز کا زمانہ ہمیشہ دور ہوتا جائیگا ﴿فَشَتَّانَ بَيْنَهُمَا.﴾

پانچواں مطلب : یہود کا اس طرح دعاء مانگنا ہمارے لئے کوئی حجت نہیں کہ ہم کو اللہ نے اور اسکے رسول نے اس کی تعلیم اکمل طور پر فرمادی، قانون آسمانی ہمارے لئے دلیل ہے نہ کہ یہود کا فعل وقول۔ فرمایا اللہ تعالی نے ﴿اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ الآية﴾ اور یہی مطلب راجح ہے۔

دسویں دلیل :۔ رحمۃ المہداۃ فصل رابع مشکوٰۃ میں ہے جس کا خلاصہ یہ کہ اس دعاء میں انبیاء علیہم السلام و کتب منزلہ من السماء کا وسیلہ ڈال کر اللہ سے دعا مانگنے کی تعلیم کی گئی ہے۔

دسویں دلیل کا معقول جواب :۔ اس کا بھی وہی جواب ہے جو اوپر گزرا کہ اس میں آپ کا ذاتی وسیلہ نہیں ہے بلکہ عملی وسیلہ ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی گئی ہے کہ یہ اللہ کے نبی تھے اور ان پر جو کتابیں نازل کی گئی ہیں وہ بھی حق ہیں۔ اے اللہ! ہم تصدیق

کرتے ہیں ان تمام باتوں کی اور تیری صفات کی پس تو بھی ہم کو اپنے فضل سے قرآن کا علم دیدے اور میرے رگ وریشہ میں اس کا اثر کردے، پس اس دعاء میں بھی وسیلہ بالعمل ہے نہ کہ بالذات ورنہ لفظ بـــنبیک کی کیا ضرورت پڑتی کہ یہ لفظ اس امر پر کافی دال ہے کہ وسیلہ بالعمل ہی ہوتا ہے نہ کہ بالذات۔

فصل تیسری مانعین توسل بالذات کے ادلہ قویہ صحیحہ صریحہ

پہلے ہم آیات قرآنی با ترجمہ لکھیں گے، اس کے بعد احادیث صحیحہ تیسرے درجہ میں اقوال محدثین وائمہ مجتہدین لیکن یہ جمیع امور نہایت ہی اختصار کے ساتھ درج کئے جاویں گے۔ ﴿وما توفیقی الا باللّٰہ﴾

﴿(۱) اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل) یعنی یہ بزرگ خود اپنے رب کا وسیلہ ڈھونڈھتے تھے کونسا ان کا زیادہ قریب ہے اور امید رکھتے کہ اسکی رحمت کی اور ڈرتے تھے اس کے عذاب سے بیشک رب کا عذاب ہے ڈر رکھنے کے لائق۔

(۲)﴿قُلْ اَرَئَیْتَکُمْ اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ اَوْ اَتَتْکُمُ السَّاعَۃُ اَغَیْرَ اللّٰہِ تَدْعُوْنَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ (الانعام) خبر دو تم اگر اللہ کا عذاب آئے یا قیامت، کیا اللہ کے سوا اور کو پکارو گے اگر ہو تم سچے۔

﴿بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ اِنْ شَاءَ وَ

تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ﴾ (الانعام) بلکہ اکیلے اللہ کو پکارو گے۔ پس دور کردے گا تمہاری تکلیف کو اگر چاہے گا اور بھول جاتے ہو اپنے شریکوں کو ایسے وقت۔

(۳) ﴿قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَا اَتَّبِعُ اَهْوَآءَ كُمْ الاية (الانعام)﴾ کہہ تو اے محمد ﷺ میں منع کیا گیا ہوں خدا کی طرف سے یہ کہ عبادت کروں ان لوگوں کی جن کو تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرونگا۔

(۴) ﴿قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَ خُفْیَةً لَئِنْ اَنْجَانَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیْكُمْ مِنْهَا وَ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ﴾ (الانعام) ترجمہ، کہہ وکون نجات دیتا ہے تاریکیوں جنگل اور دریا کی سے پکارتے ہو اس کو عاجزی سے اور گڑگڑا کر آہستگی کے ساتھ کہ اگر نجات دیگا تو ہم کو اس تکلیف سے تو البتہ ہو جائیں گے ہم شکر کرنیوالے کہہ واللہ ہی نجات دیتا ہے تم کو اس مصیبت سے اور ہر ایک مصیبت سے، پھر بھی تم اللہ کا شریک ٹھیراتے ہو۔

(۵) ﴿وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ثُمَّ یُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی (النجم) وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ نِ الْحُسْنٰی﴾ (کھف) نہیں ہے انسان کیلئے مگر جو کچھ سعی کی اور عنقریب اس کی سعی معلوم کی جائیگی لیکن جو شخص ایمان لے آیا اور عمل نیک کیا

پس اسی کے لئے جنت ہے۔

(۶) ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ. مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾. (سورۃ حج) ترجمہ: اے لوگوں! ایک مثال سننے کے لائق ہے، خیال سے سنو۔ جو لوگ اللہ کے سوا کسی کو پکارتے ہیں وہ تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگر چہ تمام انس وجن ، زمین وآسمان والے اللہ کے سوا مل کر یہ کام کریں۔ مکھی کا پیدا کرنا تو کارے دارد مکھی اگر ان سے کسی چیز کو چھین کر لیجائے تو مکھی سے وہ چیز واپس نہیں لے سکتے، کمزور ہے ایسا طالب اور جن سے وہ مانگتا ہے بیشک انھوں نے اللہ کی ویسی قدر نہیں جانی جیسا کے حق تھا ۔ بیشک اللہ قوی ہے غالب ہے۔

(۷) ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ﴾ . (سورۃ مؤمن) ترجمہ۔ تمہارا رب کہتا ہے مجھ ہی کو پکارو، میں قبول کروں گا تمہاری فریاد کو جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں جہنم میں جائیں گے ذلیل ہو کر۔

(۸) ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِیُّ وَهُوَ یُحْیِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ

وَ الْاَرْضِ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَیَقْدِرُ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴾ (سورۃ شوریٰ) ترجمہ:۔کیا بنالیا اللہ کے سوا اوروں کو کارساز، پس اللہ ہی ہے ایسا اور وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔اسی کے ہاتھ میں ہے کنجیاں آسمانوں اور زمین کی۔کشادہ کرتا ہے رزق واسطے جس کے چاہے اور تنگ کرتا ہے بیشک وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

(۹) ﴿ قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَا ذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْکٌ فِی السَّمٰوٰتِ اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ کَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّکَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ کٰفِرِیْنَ ﴾ (سورۃ احقاف) ترجمہ:بتاؤ! جنکو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، انہوں نے کیا چیز پیدا کی ہے؟ زمین میں یا آسمان میں ان کی کوئی شراکت ہے؟ لے آؤ ایسی دلیل پر کوئی کتاب اس قرآن سے پہلے یا کوئی نشان علم کا اگر ہو تم اپنے دعوے میں سچے اور کون زیادہ گمراہ ہوسکتا ہے اس شخص سے بڑھ کر کہ پکارتا ہے اللہ کے سوا ایسے شخص کو کہ نہیں قبول کرسکتا ہے واسطے اس کے قیامت تک اور وہ انکی پکار سے غافل ہیں۔اور جب اکٹھے کئے جائیں گے قیامت کے دن ہوں گے وہ سوائے اللہ کے دشمن اپنے پکارنے والوں کے اور انکار کریں گے ان کی عبادت کا۔

(۱۰) ﴿ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَادَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْالِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴾ (سورہ بقرہ) ترجمہ: میرے بندے جب میرے متعلق تم سے اے محمد ﷺ سوال کریں تو تم جواب میں کہدو کہ میں بندے کی فریاد سے قریب ہوں (واسطہ کی کوئی ضرورت نہیں) ہر پکارنے والے کی پکار بلا قید واسطہ کے سنتا اور قبول کرتا ہوں۔ پس بندوں کو بھی چاہئے۔ کہ مجھ ہی سے مانگیں اور میرے ہی پر ایمان لائیں تا کہ وہ راہ پائیں۔

خلاصہ: ان دس آیتوں کا یہ ہے کہ ان میں ہر جگہ ماسوٰی اللہ کی پکار سے روکا گیا ہے ماسوٰی اللہ عام ہے خواہ کوئی ہو، اور اللہ ہی سے دعا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ پس نتیجہ صاف ہے کہ ہر چیز کا مالک ومختار اللہ ہے، پس بندوں کو جو کچھ بھی دیگا وہی دیگا۔ اب رہا یہ امر کہ اللہ ہماری فریاد کو بھی سنتا ہے یا نہیں سو اس کے متعلق بھی فیصلہ فرمادیا کہ ہر ایک کی پکار کو سنتا اور قبول کرتا ہے، کہیں یہ نہیں فرمایا کہ نبی کے وسیلہ سے سنتا ہوں۔ کلام مجید میں اس امر کا ذکر ایک جگہ بھی نہیں ہے بلکہ تمام کلام اللہ میں یہی ہے کہ اللہ بلا کسی وسیلہ کے سنتا اور قبول کرتا ہے۔ قید اگر ہے تو ایمان اور عمل صالح کی ہے اور بس کلام مجید میں تین قسم کے واقعات ہیں۔

(۱) یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بندوں کو ہدایت کی اس میں بھی تعلیم ہے کہ ہر کام میں بلا کسی واسطہ کے خاص اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

(۲) بزرگان دین اور انبیاء اللہ کے دعاء کا ذکر ہے۔ اسمیں بھی یہی تعلیم ہے کہ ہر کام میں بلا کسی واسطہ کے خالص اللہ تعالی سے التجاء کی گئی ہے۔

(۳) نافرمانوں کا ذکر ہے۔ اس میں دو قسم کی دعائیں تھیں۔ ایک تکلیف اور بحری مصیبت کے وقت، سو ایسے وقت کفار بھی صرف اللہ سے مانگتے تھے اور کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہیں کرتے تھے۔ اس کے متعلق اللہ پاک نے انکو اس طرح فرمایا کہ جب کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں۔ اور جب اللہ پاک ان کو نجات دے دیتا ہے پھر واسطہ اور ذریعہ غیر اللہ کے شروع ہو جاتے ہیں جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا ہے کفار کے مقولہ کو یعنی ہم جو غیر اللہ کی تعظیم وتکریم یا دعائیں مانگتے ہیں ان کو رب نہیں سمجھتے بلکہ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى یہ لوگ اللہ کے لاڈلے اور پیارے تھے انکی تعظیم وتکریم کرنے سے یہ ہم کو اللہ کے قریب کر دیں گے، یہ ہمارے شفیع اور وسیلہ ہیں، اور یہ بھی صحیح بخاری وغیرہ میں کتب حدیث میں ہے کہ وہ انبیاء اللہ واولیاء اللہ کو وسیلہ گر دانتے تھے یعنی انبیاء اللہ و بزرگان دین کے ساتھ وہ کام اور فعل کرتے تھے کہ جس کی اللہ نے اور اس کے رسول نے اجازت نہیں دی جیسے آج کل قبروں پر جا کر ان سے دعائیں مانگتے ہیں۔ اگر ان سے پوچھا جائے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ان کو رب نہیں سمجھتے بلکہ اللہ کے پیارے مقرب بندے تھے۔ یہ ہماری فریاد اللہ تک پہنچا دیں گے اور ادھر ادھر کے قصے پڑھنے شروع کر دیتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ وسیلہ کے اگر یہی معنی ہوتے جو ہم نے سمجھے ہیں تو صحابہ کرام کیوں اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہتے اور ائمہ مجتہدین ومحدثین و

بزرگان دین کیوں اس فعل کو شرک قرار دیتے۔ ایسے اعتقاد والوں کو چاہئے کہ اپنے مولویوں سے دریافت کریں کہ اس قسم کا وسیلہ کونسی کتاب اور کس صحابی سے ثابت ہے پھر اس کی تحقیق کریں۔ غرض ایک قسم کی دعاء تو کفار کی یہ تھی جس کو اللہ پاک نے انہیں فرمایا بلکہ مورد الزام ٹھہرایا کہ جب وہ اللہ تم کو مصیبت کے وقت نجات دیتا ہے پھر دوسروں کو کیوں وسیلہ ڈالتے ہو (۲) وہ اللہ کے سوا اوروں کو پکارتے تھے اس کے متعلق تمام کلام اللہ میں اس کی تردید موجود ہے۔

پس کلام اللہ کی یہ تینوں قسم کی آیتیں اس بات پر شاہد ہیں کہ طلب حاجات کے لئے اللہ کے دربار میں وسیلہ کی کوئی ضروت نہیں اور وسیلہ اگر ہے تو اللہ سے التجاء کرنا اور گڑگڑانا اور عمل صالح کرنا اس کا نام وسیلہ ہے اور اس کے سوا وسیلہ کچھ نہیں۔

یہی حال قبر پرستی اور اس کے سارے لوازمات و مقتضیات کا ہے ''قبر پرستی'' کو ''زیارت قبر'' کا شرعی نام دیا گیا ہے حالانکہ یہ زیارت قبر نہیں بلکہ عبادت قبر ہے۔ قبروں و مزاروں پر حاضری دینے ورعرسوں میلوں میں جانے کی اصل غرض اہل قبور سے توسل اور اکتساب فیض وغیرہ ہے۔ شرعی نقطہ نگاہ سے قبروں پر حاضری دیکر یہ سمجھنا کہ چھوٹے صاحب تک رسائی ہو چکی ہے اب یہ ہمیں بڑے صاحب تک پہنچانے، ہماری سفارش کرنے، ہمیں ان کا مقرب بنانے کا کلی اختیار رکھتے ہیں یا اس قبر کے توسل سے ہر حاجتمند کو اپنی چھوٹی بڑی، مادی وروحانی حاجت ملتی ہے، اس کو اللہ نے دینے، نہ دینے کا اختیار دیا ہے، جسے نظر رحمت سے دیکھ لیں، مالا مال کر دیں اور اگر نظر غضب سے دیکھیں تو

تہ وبالا کردیں، بلاریب مشرکانہ عقیدہ ہے۔ قرآن مجید میں جتنی دعائیں ملتی ہیں ان میں ''توسل'' کہیں نہیں آیا۔ رسول ﷺ سے جو ادعیہ ماثورہ امت تک موصول ہوئی ہیں ان میں بھی براہ راست اللہ عزوجل ہی سے دعاء والتجاء کی گئی ہے، کسی کا توسل ان میں نہیں اگر انبیاء وصلحاء کی ارواح سے استغاثہ وتوسل جائز ہوتا تو قرآن کریم میں کوئی ایک آیت تو اس کے جواز میں نازل ہوتی۔ انبیاء علیہم السلام کی دعائیں قرآن مجید میں مسطور ومرقوم ہے، ان میں کسی نبی نے اپنے سابق نبی ورسول کو مصیبت کے وقت نہیں پکارا۔ نہ کسی کا وسیلہ لیا کہ یا اللہ فلاں نبی کے وسیلے اور واسطے سے میری دعاء قبول کر نہ انبیاء سابقین سے دربار الٰہی میں دعاء کرنے کی درخواست کی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعاء:۔ ﴿ وَنُوحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنَاهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴾ (سورۃ انبیاء) یعنی جب نوحؑ نے پکارا تو ہم نے براہ راست اس کی دعاء قبول کرلی، اس کو اور اسکے گھر والوں کو بڑی مصیبت وپریشانی سے بچالیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ نوح علیہ السلام نے براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا کی کسی کا وسیلہ وطفیل نہیں لیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعاء:۔ ایوب علیہ السلام بھی اپنی بیماری اور مصیبت کے دفع کے لئے ایک اللہ ہی کو پکارتے ہیں، کسی کا وسیلہ نہیں لیتے ﴿ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ (پ ۱۷

سورۃ انبیاء) اور ایوبؑ نے جس وقت اپنے رب کو پکارا کہ مجھے بڑی تکلیف ہے اور تو سب رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی دعاء:۔ یہ بھی پانی اور مچھلی کے پیٹ کے اندھیروں میں براہ راست اپنے اپنے رب ہی سے فریاد کرتے ہیں، کسی ذات کا وسیلہ نہیں لیتے ﴿فَنَادٰی فِی الظُّلُمَاتِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (پ ۱۷ سورۃ انبیاء) پھر پکارا اندھیروں میں یونسؑ نے کہ کوئی بچانے والا نہیں سوائے تیرے تو بے عیب ہے اور میں خطا کاروں میں سے ہوں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہوا کہ کامل تنزیہ اور ایسی عصمت جہاں سرے سے بھول چوک، نسیان اور ذہول کا امکان ہی نہ ہو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو سزاوار ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام سے بتقاضائے بشریت تھوڑی سی بھول ہوگئی کہ وحی کا انتظار کئے بغیر قوم کو چھوڑ کر چلدیئے۔ اس پر اللہ کے اس فرمانبردار بندے نے اپنے اللہ سے معافی طلب کی۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعاء:۔ ﴿وَزَکَرِیَّا اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ﴾ (پ ۱۷ سورۃ انبیاء) اور زکریاؑ کو دیکھو جبکہ اس نے اپنے رب کو براہ راست پکارا کہ اے میرے رب نہ چھوڑ مجھ کو اکیلا اور تو ہے سب سے بہتر ولی وارث۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ زکریا علیہ السلام نے دربار الٰہی میں اپنی تمنا پیش کرتے وقت اور اولاد کی دعاء مانگتے وقت کسی سابق نبی کا وسیلہ نہیں لیا۔

یہ چند دعائیں مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔ ورنہ قرآن وحدیث میں جہاں بھی کسی نبی کی دعاء وفریاد واستغاثہ کا ذکر آیا ہے تو ہر نبی نے براہ راست اللہ ہی سے دعا کی ہے کیونکہ اللہ تعالی کا ان کو یہی حکم تھا۔ وہ دنیا کو اسی کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی فریاد درس ومشکل کشا نہیں۔ مصیبتوں کا ٹالنا، حاجت روائی کرنا، رزق وروزی ، مال واولاد کا دینا سب کچھ اسی وحدہ لاشریک لہ کا کام ہے۔ اللہ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ دعا میں اللہ کو اس طرح پکاریں کہ اس دعا، پکار، فریاد اور استغاثہ میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی شرکت اور میل نہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ☆ الجواب الکافی میں ہے مَنْ جَعَلَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ اللّٰهِ الْوَسَآئِطَ يَتَوَكَّلُ عَلَيْهِمْ وَ يَدْعُوْهُمْ وَ يَسْئَلُهُمْ كَفَرَ اِجْمَاعاً.﴾ یعنی جس نے اپنے اور اللہ کے درمیان کسی کی ذات کو وسیلہ وذریعہ بنا کر اس پر بھروسہ کیا اسکو پکارا اور اس سے حاجت طلب کی تو وہ بالاجماع کافر ہوگیا۔ ابن کثیر میں ہے قتادہؒ تابعی نے فرمایا اللہ کی اطاعت اور اس کی مرضی کے مطابق اعمال سے اسکا قرب حاصل کرو یعنی اعمال صالحہ تمہارے لئے وسیلہ ہیں۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں رقم طراز ہیں ﴿وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ اَیْ اَلْقُرْبَةَ بِالْعَمَلِ﴾ یعنی وسیلہ سے مراد عمل سے قربت حاصل کرنا ہے۔ علامہ ابن کثیر وابن جریر وغیرہ سلف وخلف کے جملہ مفسرین معتبرین کا وسیلہ کے اس معنے پر اتفاق ہے ﴿فَالتَّوَسُّلُ اِلَى اللّٰهِ بِمَا يَحِبُّهُ وَ يَرْضَاهُ لَا بِمَا

يَكْرَهُهُ وَ يَأْبَاهُ مِنَ الشِّرْكِ الَّذِيْ نَزَّهَ نَفْسَهُ عَنْهُ بِقَوْلِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ احادیث صحیحہ صریحہ کو درج کر کے پھر ائمہ مجتہدین ومحدثین کے اقوال درج کرینگے انشاء اللہ ﴿ وما توفیقی الّا باللّٰہ ﴾

(۱) ﴿ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا غُلَامُ احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَ اِذَا سَاَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَ اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَ لَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ ﴾ (ترمذی) ☆ ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک دن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا کہ حضرت نے فرمایا کہ اے لڑکے حفاظت کر اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی تو وہ تیری حفاظت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ کو یاد رکھ تو اسکو حاضر وموجود پائے گا اور جب سوال کرے تو اللہ تعالیٰ سے ہی کرنا، اور جب مدد مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مانگیو اور جان رکھ کہ اگر تمام مخلوق جمع ہوں اس بات پر کہ تجھ کو نفع پہنچائیں تو وہ نفع نہیں پہنچا سکیں گے مگر اسی قدر کہ جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔ اور اگر اتفاق کریں کہ ضرر پہنچائیں تو نقصان نہ پہنچا

سکیں گے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے قلمیں اٹھائیں گئیں اور صحیفے خشک ہو گئے یعنی جو اللہ تعالیٰ کو کرنا تھا کر چکا

فائدہ: اس حدیث میں نبی ﷺ نے امت کو اس امر کی تعلیم کی ہے کہ طلب حاجات کے لئے جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے بلا کسی واسطہ کے طلب کرو۔

(۲) ﴿عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهُ كَانَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِيْكَ الْمُهَاجِرِيْنَ (رواه شرح السنه مشكوة باب فضل الفقراء)﴾ ترجمہ: اللہ کے نبی ﷺ فتح کے لئے وسیلہ ڈالتے تھے فقراء مہاجرین کا یعنی ان سے دعا کرواتے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے ﴿اَیْ یَطْلُبُ الْفَتْحَ وَ النُّصْرَةَ عَلَى الْكُفَّارِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى بِفُقَرَاءِ هِمْ بِبَرَكَةِ دُعَائِهِمْ اَيْضًا وَ لَعَلَّ وَجْهَ التَّقْيِيْدِ بِالْمُهَاجِرِيْنَ لِاَنَّهُمْ فُقَرَآءُ غُرَبَآءُ مَظْلُوْمُوْنَ مُجْتَهِدُوْنَ مُجَاهِدُوْنَ فَيُرْجٰى تَاثِيْرُ دُعَائِهِمْ اَكْثَرُ مِنْ عَوَامِّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَغْنِيَائِهِمْ﴾ صفحہ نمبر ۶۱ ج ۵ ☆ یعنی فتح اور مدد کی دعا کرواتے فقراء مہاجرین سے اللہ کی درگاہ میں اس لئے کہ یہ لوگ فقیر و غریب مظلوم تھے دین میں کوشش کرنے والے تھے مجتہد تھے، پس انکی دعاء بہ نسبت عام مسلمانوں کے زیادہ قبولیت کا درجہ رکھتی ہے۔

فائدہ: یہ حدیث توسل کی تشریح میں فیصلہ کن ہے اور کھلے طور پر بتلا رہی ہے کہ

توسل محض دعاء کا نام ہے ورنہ اگر حرف ''ب'' سے یہاں فقراء کی ذات مراد لی جائے گی تو لازم آئے گا کہ نبی ﷺ سے فقراء کا وجود اور ذات بہتر تھی ﴿ولا قائل به احدٌ﴾ اور یہ کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا ہے۔ رہی دعاء سو وہ مشترک ہے درمیان ہر داعی کے اور قبولیت کے لئے خصوصیت ہے چند امور کی ولنعم ما قیل۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن ::: اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

(۳) ﴿کَانَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ یَسْتَفْتِحُ وَ یَسْتَنْصِرُ بِصَعَالِیْکَ الْمُسْلِمِیْنَ. (ابن ابی شیبه و الطبرانی عن امیة ابن عبد الله)﴾ اس کا بھی قریب قریب وہی مطلب ہے جو اوپر گزرا یعنی نبی ﷺ فتح اور مدد کے لئے فقراء مسلمین سے دعا کراتے۔ پس وسیلہ دعا کا نام ہے نکہ ذات کا۔

(۴) ﴿عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ ابْغُوْنِیْ فِیْ ضُعَفَآءِ کُمْ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ اَوْ تُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَآءِ کُمْ﴾ (ابو داؤد) ترجمہ فرمایا نبی ﷺ نے تم مجھ کو غریبوں میں تلاش کرو اس لئے کہ ان ہی غرباء کی دعاء سے تم رزق اور مدد دیئے جاتے ہو یعنی تم غرباء کے ساتھ سلوک کرتے ہو وہ تمہارے لئے دعائیں مانگتے ہیں وہ اللہ کے ہاں مسموع ہوتی ہے۔

(۵) ﴿عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ سَلُوا اللّٰهَ لِیَ الْوَسِیْلَةَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاالْوَسِیْلَةُ قَالَ اَعْلٰی دَرَجَةً فِی الْجَنَّةِ لَا یَنَالُهَآ اِلَّا رَجُلٌ وَ اَرْجُوْآ اَنْ اَکُوْنَ اَنَا هُوَ﴾ (رواه الترمذی) ترجمہ فرمایا نبی

ﷺ نے تم اللہ سے میرے لئے وسیلہ مانگو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہے وسیلہ؟ آپ نے فرمایا اعلی درجہ ہے جنت میں، نہیں پہنچے گا اس کو مگر ایک آدمی اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ ایک آدمی میں ہی ہوں گا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول ﷺ کے لئے آپ کی امت بھی وسیلہ ہے چنانچہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری میں تحت حدیث لکھا ہے ﴿قُلْتُ وَ مِنْهُ قَوْلُهٗ تَعَالٰى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ یعنی قانون آسمانی میں جو آیا ہے کہ اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ ایک دوسرے کے لئے دعائیں مانگ کر رتبے بڑھاؤ جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے وسیلہ جو ایک مقام اعلی ہے اللہ سے مانگو۔

پس یہ فیصلہ ہوا جو وسیلہ امت کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے وہی وسیلہ امت کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور وہ صرف دعا مانگنے کا نام ہے جیسا کہ اذان کے بعد ﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِىْ وَعَدْتَّهٗ﴾ کو ہر ایک مسلمان بعد اذان کے طلب کرتا ہے اور اللہ سے مانگتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اذان کے بعد یہ دعا پڑھے یعنی میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگے ﴿عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا ثَلٰثَةُ نَفَرٍ يَتَمَاشُوْنَ اَخَذَهُمُ الْمَطَرُ فَمَالُوْٓا اِلٰى غَارٍ فِى الْجَبَلِ فَانْحَطَّتْ

عَلٰی فَمِ غَارِ هِمْ صَخْرَةٌ مِّنَ الْجَبَلِ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اُنْظُرُوْا اَعْمَالًا عَمِلْتُمُوْهَا لِلّٰهِ صَالِحَةً
فَادْعُوا اللّٰهَ بِهَا لَعَلَّهُ يُفَرِّجُهَا فَقَالَ اَحَدُهُمُ اللّٰهُمَّ اِنَّهُ كَانَ لِیْ
وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ وَلِیْ صِبْيَةٌ صِغَارٌ كُنْتُ اَرْعٰی عَلَيْهِمْ
فَاِذَا رُحْتُ عَلَيْهِمْ فَحَلَبْتُ فَدَاَتُ بِوَالِدَیَّ اَسْقِيهِمَا قَبْلَ
وَلَدِیْ وَاِنَّهُ قَدْ نَاٰی بِی الشَّجَرُ فَمَا اَتَيْتُ حَتّٰی اَمْسَيْتُ
فَوَجَدْتُّهُمَا قَدْ نَامَا فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ اَحْلُبُ فَجِئْتُ
بِالْحِلَابِ فَقُمْتُ عِنْدَ رُءُوْسِهِمَا اَكْرَهُ اَنْ اُوْقِظَهُمَا وَاَكْرَهُ
اَنْ اَبْدَاَ بِالصِّبْيَةِ قَبْلَهُمَا وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَیَّ فَلَمْ
يَزَلْ ذٰلِكَ دَابِیْ وَدَابُهُمْ حَتّٰی طَلَعَ الْفَجْرُ فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ
اَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا فُرْجَةً نَرٰی مِنْهَا
السَّمَآءَ فَفَرَّجَ اللّٰهُ لَهُمْ حَتّٰی يَرَوْنَ السَّمَآءَ قَالَ الثَّانِیْ اَللّٰهُمَّ
اِنَّهُ كَانَتْ لِیْ بِنْتُ عَمٍ اُحِبُّهَا كَاَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَاءَ
فَطَلَبْتُ اِلَيْهَا نَفْسَهَا فَاَبَتْ حَتّٰی اٰتِيَهَا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ فَسَعَيْتُ
حَتّٰی جَمَعْتُ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَلَقِيْتُهَا بِهَا فَلَمَّا قَعَدْتُّ بَيْنَ
رِجْلَيْهَا قَالَتْ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ فَقُمْتُ
عَنْهَا اَللّٰهُمَّ فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ

وَجْهِکَ فَافْرُجْ لَنَامِنْهَا فَفَرَّجَ لَهُمْ فُرْجَةً وَقَالَ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ کُنْتُ اسْتَأْجَرْتُ اَجِیْرًا بِفَرَقِ اَرُزٍّ فَلَمَّا قَضٰی عَمَلَهٗ قَالَ اَعْطِنِیْ حَقِّیْ فَعَرَضْتُ عَلَیْهِ حَقَّهٗ فَتَرَکَهٗ وَ رَغِبَ عَنْهُ فَلَمْ اَزَلْ اَزْرَعُهٗ حَتّٰی جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَّ رَاعِیَهَا فَجَآءَ نِیْ فَقَالَ اِتَّقِ اللّٰهَ وَلَاتَظْلِمْنِیْ وَ اَعْطِنِیْ حَقِّیْ فَقُلْتُ اذْهَبْ اِلٰی ذٰلِکَ الْبَقَرِ وَرَاعِیْهَا فَقَالَ اِتَّقِ اللّٰهَ وَلَاتَهْزَأْبِیْ فَقُلْتُ اِنِّیْ لَآاَهْزَأُ بِکَ فَخُذْ ذٰلِکَ الْبَقَرَا وَرَاعِیْهَا فَاَخَذَهٗ فَانْطَلَقَ بِهَا فَاِنْ کُنْتُ اَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِکَ ابْتِغَآءَ وَجْهِکَ فَافْرُجْ مَا بَقِیَ فَفَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مُتَّفَقٌ علیه (بخاری مسلم) ﴾ یعنی روایت ہے ابن عمرؓ سے کہا میں نے سنا رسول ﷺ سے فرماتے تھے اگلے زمانہ میں تین شخص سفر کو چلے، اچانک راستہ میں بارش ہوگئی (کمافی روایۃ) تو وہ لوگ غار میں ہوگئے اوپر سے پتھر سرک آیا اور غار کا منہ بالکل بند کر دیا۔ پس آپس میں بات چیت کرنے لگے کہ اس مصیبت سے نجات دینے والی اور کوئی چیز نہیں ہے سوائے اسکے کہ اللہ سے دعاء کرو اچھے اعمال کا وسیلہ ڈال کر ۔ایک آدمی نے کہا اے اللہ میرے ماں باپ بوڑھے ضعیف تھے اور دودھ نہیں پیتا تھا میں خود اور نہیں پلاتا تھا اپنی اولاد وغیرہ کو جب تک کہ وہ نہ پی لیتے تھے۔ پس ایک دن میں تاخیر سے آیا جنگل سے بکریاں لیکر تو وہ دونوں سو چکے تھے پس میں دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیکر انکے جاگنے کا انتظار کرتا رہا اور میرے بچے میرے قدموں میں بھوک سے بلبلا رہے

تھے یہاں تک صبح ہوئی وہ بیدار ہوئے اور اپنا دودھ پیا۔ اے اللہ اگر میں نے یہ کام تیری رضا مندی کے لئے کیا تو دور کر دے ہم سے اس پتھر کو۔ پس ہٹ گیا وہ پتھر تھوڑا کہ جس میں سے نکل نہیں سکتے تھے۔ فرمایا نبی ﷺ نے کہا دوسرے آدمی نے اے اللہ ایک بیٹی میرے چچا کی بہت محبوب تھی میرے نزدیک تمام لوگوں سے پس ارادہ کیا میں نے اس سے ملنے کا اسنے انکار کیا یہاں تک کہ ایک سال سخت قحط سالی کا آیا کہ جس کی وجہ سے وہ مجبور ہو کر میرے پاس آئی۔ پس میں نے ایک سو دینار اس شرط میں دیدیئے کہ میرے اور اس کے درمیان خلوت ہو۔ پس اس نے اقرار کیا اور حسب وعدہ جب وہ آئی اور میں پورے پورے طور سے قدرت پا چکا تو اس نے کہا کہ اللہ سے ڈر اور بغیر نکاح کے یہ مہر مت توڑ۔ پس اس کی یہ بات میرے دل میں جگہ کر گئی اور میں نے اس کام کو گناہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ پس اس حال میں میں نے اس کو چھوڑا کہ وہ تمام لوگوں سے میرے نزدیک زیادہ محبوب تھی اور دینار بھی میں نے معاف کر دیئے۔ اے اللہ! اگر یہ کام میں نے تیری رضا مندی کے لئے کیا تھا تو تو ہم سے اس پتھر کو دور کر دے پس وہ قدرے دور ہو گیا کہ جس میں سے نکل نہیں سکتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا تیسرے آدمی نے دعاء کی اے اللہ! میں نے اپنے کام کے لئے مزدور لگائے تھے اور سب کو انکی مزدوری دیدی تھی سوائے ایک آدمی کے کہ وہ اپنی مزدوری چھوڑ گیا اور ناراض ہو کر چلا گیا۔ پس میں نے اسکی مزدوری سے زراعت شروع کی یہاں تک کہ وہ مال خوب بڑھ گیا۔ پس مدت کے بعد وہ مزدور آیا اور کہا اے اللہ کے بندے میرا حق دیدے۔ میں نے کہا کہ جو کچھ تو دیکھ رہا

ہے اونٹ اور گائے اور بکری اور غلام یہ سب تیرا حق ہے۔ جواب میں اس نے کہا اے اللہ کے بندے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا میں مذاق نہیں کرتا۔ پس وہ سب مال لے گیا اور کچھ نہ چھوڑا۔ اے اللہ! اگر یہ کام میں نے تیری رضامندی کے لئے کیا تھا تو تو ہم سے اس پتھر کو دور کر دے پس وہ دور ہو گیا اور تینوں غار سے باہر آ گئے۔

فائدہ۔ الفاظ حدیث صاف کہہ رہے ہیں کہ وسیلہ محض دعاء اور اعمال صالح کا نام ہے، دگر ہیچ۔

(۷) ﴿فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّمَا یَنْصُرُ اللّٰهُ هٰذِهِ الْاُمَّةَ بِضَعِیْفِهَا بِدَعْوَتِهِمْ وَصَلَاتِهِمْ وَاِخْلَاصِهِمْ﴾ (رواه النسائی وغیره وهو فی البخاری وغیره دون ذکر اخلاص)

نبی ﷺ نے فرمایا سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ غریبوں کی نماز اور اخلاص کی وجہ سے اس امت کی مدد فرماتا ہے

فائدہ: یعنی مال داروں کی تجارت یا سرداری یا کسی کام کا بن جانا اسکی وجوہات میں سے یہ بھی ہے کہ غریبوں کے ساتھ سلوک کرتے ہیں اور غریب ان کی جان و مال کے لئے دعا مانگتے ہیں۔ پس گویا غریب وسیلہ ہیں مالداروں کی ترقی کا یعنی ان کی دعاء وسیلہ بنی امت کے لئے۔

(۸) ﴿عَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ نَتَدَاوَلُ مِنْ قَصْعَةٍ مِّنْ غُدْوَةٍ حَتَّى اللَّیْلِ یَقُوْمُ عَشْرَةٌ وَیَقْعُدُ

عَشَرَةٌ قُلْنَا فَمَا كَانَتْ تَمُدُّ قَالَ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ تَعْجَبُ مَا كَانَتْ تَمُدُّ اِلَّا مِنْ هٰهُنَا وَاَشَارَ بِیَدِهٖ اِلَی السَّمَآءِ (رواه الترمذی و الدارمی) ترجمہ: روایت ہے ابی العلاء سے وہ روایت کرتے ہیں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے، کہا جندبؓ نے کہ ہم اللہ کے نبی محمد ﷺ کے ساتھ ایک ہی پیالہ میں دس آدمی کھانا کھاتے اور کھا چکنے کے بعد دوسرے دس آدمی آ کر بیٹھتے اسی پیالہ میں سے کھانے کے لئے یہ سلسلہ صبح سے رات تک جاری رہا۔ ابو العلاءؒ نے کہا کہ کونسی چیز سے پیالہ اتنا فراخ ہوگیا۔ جندبؓ نے جواب دیا کون سے تعجب کی بات ہے۔ نہیں فراخ ہوا پیالہ یعنی نہیں برکت ہوئی کھانے میں مگر اس کی طرف سے اور اشارہ کیا نیلی چھت والے کی طرف۔ (اللہ کی طرف)

فائدہ: نتیجہ صاف اور روشن ہے کہ صحابہ کرامؓ باوجود اتنے صریح معجزہ دیکھنے کے بھی بانئ فعل اور موجد برکت اللہ سبحانہ وتعالی ہی کو سمجھتے تھے نہ کہ غیر کو۔ مرقاۃ ج ۵ میں ہے ﴿فَالْمَدَدُ مِنْ رَّبِّ السَّمَاءِ لَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ سُكَّانِ الْاَرْضِ﴾ یعنی مدد آسمان والے کی طرف سے تھی نہ کہ کسی زمین والے کی طرف سے۔ علی ہذا القیاس ہر اک معجزہ میں بانی فعل اور موجد اللہ سبحانہ وتعالی ہی ہوتا ہے نہ کہ کوئی مخلوقات میں سے ﴿سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾

(۹) ﴿وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ یَوْمَ بَدْرٍ فِیْ ثَلٰثِ مِائَةٍ وَّخَمْسَةَ عَشَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ

حُفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ عُرَاةٌ فَاكْسِهِمْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ جِيَاعٌ فَاَشْبِعْهُمْ فَفَتَحَ اللّٰهُ لَهٗ فَانْقَلَبُوْا وَمَا مِنْهُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَ قَدْ رَجَعَ بِحَمْلٍ اَوْ حَمْلَيْنِ وَاكْتَسَوْا وَشَبِعُوْا ﴾ (رواہ ابو داؤد) ترجمہ: روایت ہے عبداللہ بن عمرو ؓ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن تین سو پندرہ آدمیوں کے ساتھ نکلے دعا کی آپ ﷺ نے کہ اے اللہ تحقیق وہ پیدل ہیں پس سواری دے تو ان کو۔ اے اللہ یہ ننگے ہیں پس پہنا تو ان کو، اے اللہ یہ بھوکے ہیں پس پیٹ بھر تو ان کا۔ اللہ پاک نے آپ کی دعاء یعنی وسیلہ قبول کیا اور فتح دی وہ لڑائی سے لوٹے تو کسی کے پاس ایک سواری تھی تو کسی کے پاس دو سواریاں اور کپڑے پہننے کو ملے اور خوب پیٹ بھر ملا۔

فائدہ: ہر ایسے موقع پر نبی ﷺ اور بزرگان دین کا قرآن وحدیث سے دعا ہی کا وسیلہ پایا جاتا ہے نہ وہ جو کہ لوگوں نے چھومنتر کے طور پر طرح طرح کے خلاف شرع واقعات گڑھ رکھے ہیں ۔ ﴿فاعتبروا یآ اولی الابصار﴾

(۱۰) ﴿ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِیَّ ﷺ بِتَمَرَاتٍ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ فِيْهِنَّ بِا لْبَرَكَةِ فَضَمَّهُنَّ ثُمَّ دَعَالِیْ فِيْهِنَّ بِالْبَرَكَةِ قَالَ خُذْ هُنَّ فَا جْعَلْهُنَّ فِیْ مِزْوَدِكَ كُلَّمَا اَرَدْتَّ اَنْ تَاْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا فَاَدْخِلْ فِيْهِ يَدَكَ فَخُذْهُ وَلَا تَنْثُرْهُ نَثْرًا فَقَدْ حَمَلْتُ مِنْ ذٰلِكَ التَّمْرِ كَذَا وَكَذَا مِنْ وَّسْقٍ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَكُنَّا نَاْكُلُ مِنْهَا وَنُطْعِمُ وَكَانَ لَا يُفَارِقُ حَقْوِیْ

حَتّٰی کَانَ یَوْمُ قُتِلَ عُثْمَانَ فَاِنَّهٗ انْقَطَعَ ﴾ (رواہ الترمذی) ترجمہ. روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند کھجوریں لایا اور درخواست کی یارسول اللہ۔ آپ ان کھجوروں میں برکت کی دعا فرمادیجئے، آپ نے ان کھجوروں کو ملا دیا اور پھر میرے واسطے ان میں برکت کی دعا فرمائی اور کہا ان کو لے اور اپنے توشہ دان میں ملا دے اور جب کبھی تو اس میں سے لینے کا ارادہ کرے تو اپنا ہاتھ ڈال کر لے لیا کر (اس توشہ دان کو) جھاڑنا نہیں پلٹنا نہیں۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (سالہا سال) میں نے اس میں سے بہت کھجور صدقہ کی خود کھائی اور لوگوں کو کھلائیں (میرے توشہ میں) کھجوریں ختم نہیں ہوئیں یہاں تک کہ حضرت عثمان غنیؓ کے قتل والے دن وہ توشہ دان ٹوٹ کر گر گیا۔

فائدہ۔ مطلب صاف ہے کہ صحابہ کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ محض زندگی ہی میں سمجھتے تھے اور وہ بھی صرف دعا کا، نہ کہ کسی اور چیز کا ﴿کَمَا مَرَّ مِرَاراً فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ﴾۔ حوالہ کتب سلف صالحین،

(۱) فتاوی ابن تیمیہ مطبوعہ مصر (جلد ۴) کے صفحہ ۳۱۱ میں ہے۔

﴿وَاَمَّا قَوْلُ السَّائِلِ هَلْ یَجُوْزُ اَنْ یَّسْتَغِیْثَ اِلَی اللّٰهِ فِی الدُّعَآءِ بِنَبِیٍّ مُّرْسَلٍ اَوْ مَلَکٍ مُّقَرَّبٍ اَوْ بِکَلَامِهٖ تَعَالٰی اَوْ بِالْکَعْبَةِ اَوْ بِالدُّعَآءِ الْمَشْهُوْرِ بِاحْتِیَاطِ قَافٍ اَوْ بِدُعَآءِ اُمِّ دَاوٗدَ اَوِ الْخِضْرِ وَیَجُوْزُ اَنْ یُّقْسِمَ عَلَی اللّٰهِ فِی السُّئَوَالِ بِحَقِّ فُلَانٍ

بِحُرْمَةِ فُلَانٍ بِجَاهِ الْمُقَرَّبِيْنَ بِاَقْرَبِ الْخَلْقِ اَوْ يُقْسِمَ بِاَعْمَالِهِمْ وَ اَفْعَالِهِمْ فَيُقَالُ هٰذَا السُّئوالُ فِيْهِ فُصُوْلٌ مُّتَعَدَّدَةٌ فَاَمَّا الْاَدْعِيَةُ الَّتِىْ جَآئَتْ بِهَا السُّنَّةُ فَفِيْهَا سُئوالُ اللّٰهِ بِاَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَالْاِسْتِعَاذَةُ بِكَلَامِهٖ كَمَا فِىْ اَدْعِيَةِ الَّتِىْ فِى السُّنَنِ مِثْلَ قَوْلِهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِىْ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ وَ مِثْلُ الدُّعَآءِ الَّذِىْ فِى الْمُسْنَدِ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِىْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِىْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ وَ اَمَّا الْاَدْعِيَةُ الَّتِىْ يَدْعُوْا بِهَا بَعْضُ الْعَآمَّةِ وَ يَكْتُبُهَا بَآرِعَةُ الْحُرُوْزِ مِنَ الطَّرَفَةِ الَّتِىْ فِيْهَآ اَسْئَلُكَ بِاحْتِبَاطِ قَافٍ وَهُوَ يُوْفِ الْمَخَافَ وَالطُّوْرِ وَالْعَرْشِ وَ الْكُرْسِيِّ وَ زَمْزَمَ وَ الْمَقَامِ وَالْبَلَدِ الْحَرَامِ وَاَمْثَالُ هٰذِهِ الْاَدْعِيَةِ فَلَا يُؤْثَرُ مِنْهَا شَىْءٌ لَا عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَلَا عَنْ اَصْحَابِهٖ وَلَا عَنْ اَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ لَيْسَ لِاَحَدٍ اَنْ يُّقْسِمَ بِهٰذِهٖ بِحَالٍ بَلْ قَدْ ثَبَتَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اَنَّهٗ قَالَ مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَصْمُتْ وَ قَالَ مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ فَلَيْسَ لِاَحَدٍ

اَنْ یُّقْسِمَ بِالْمَخْلُوْقَاتِ اَلْبَتَّةَ وَ قَدْقَالَ النَّبِیّ ﷺ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَّوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَا بَرَّهٗ کَمَا قَالَ اَنَسُ بْنُ النَّضْرِ اَتُکْسَرُ ثَنِیَّةُ الرُّبَیِّعِ لَا وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ لَا تُکْسَرُ ثَنِیَّةُ الرُّبَیِّعِ وَکَمَا قَالَ الْبَرَآءُ ابْنُ مَالِکٍ اَقْسَمْتُ عَلَیْکَ اَیْ رَبِّ اَنْ لَّا فَعَلْتَ کَذَا وَ کَذَا وَکِلَاهُمَا کَانَ مِمَّنْ یَّبَرُّ اللّٰهُ قَسَمَهٗ وَالْعَبْدُ یَسْئَلُ رَبَّهٗ بِالْاَسْبَابِ الَّتِیْ تَقْتَضِیْ مَطْلُوْبَهٗ وَ هِیَ الْاَعْمَالُ الصَّالِحَةُ الَّتِیْ وُعِدَا لثَّوَابُ عَلَیْهَا وَ دَعَا عِبَادَهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ وُعِدَ اِجَابَتُهُمْ کَمَا کَانَ الصَّحَابَةُ یَتَوَسَّلُوْنَ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی بِنَبِیِّهٖ ثُمَّ بِعَمِّهٖ وَ غَیْرِ عَمِّهٖ مِنْ صَالِحِیْهِمْ یَتَوَسَّلُوْنَ بِدُعَآئِهٖ وَشَفَاعَتِهٖ کَمَا فِی الصَّحِیْحِ اِنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ ؓ اسْتَسْقٰی بِالْعَبَّاسِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِیْنَا وَ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا فَیُسْقَوْنَ فَتَوَسَّلُوا بَعْدَ مَوْتِهٖ بِالْعَبَّاسِ کَمَا کَانُوْا یَتَوَسَّلُوْنَ بِهٖ وَهُوَ تَوَسُّلُهُمْ بِدُعَآئِهٖ وَشَفَاعَتِهٖ وَمِنْ ذٰلِکَ مَا رَوَاهُ اَهْلُ السُّنَنِ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِیُّ اَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ادْعُ اللّٰهَ اَنْ یَّرُدَّ عَلَیَّ بَصَرِیْ فَاَمَرَهٗ اَنْ یَّتَوَضَّاَ وَیُصَلِّیَ رَکْعَتَیْنِ وَیَقُوْلَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ

وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْکَ بِنَبِيِّکَ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ بِکَ اِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ لِيَقْضِيَهَا اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ فَهٰذَا طَلَبٌ مِّنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَهٗ اَنْ يَّسْاَلَ اللّٰهَ اَنْ يَّقْبَلَ شَفَاعَةَالنَّبِيِّ لَهٗ فِيْ تَوَجُّهِهٖ بِنَبِيِّهٖ اِلَى اللّٰهِ هُوَ كَتَوَسُّلِ غَيْرِهٖ مِنَ الصَّحَابَةِ بِهٖ اِلَى اللّٰهِ فَاِنَّ هٰذَ التَّوَجُّهَ وَالتَّوَسُّلَ هُوَ تَوَجُّهٌ وَّتَوَسُّلٌ بِدُعَآئِهٖ وَ شَفَاعَتِهٖ وَاَمَّا قَوْلُ الْقَآئِلِ اَسْئَالُکَ اَوْاُقْسِمَ عَلَيْکَ بِحَقِّ مَلٰئِکَتِکَ اَوْ بِحَقِّ اَنْبِيَائِکَ اَوْبِنَبِيِّکَ فُلَانٍ اَوْبِرَسُوْلِکَ فُلَانٍ اَوْبِالْبَيْتِ الْحَرَامِ اَوْ بِزَمْزَمَ وَالْمَقَامِ اَوْبِالطُّوْرِ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِوَنَحْوِذَالِکَ فَهٰذَاالنَّوْعُ مِنَ الدُّعَآءِ لَمْ يُنْقَلْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَآاَصْحَابِهٖ وَلَا التَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِاِحْسَانٍ بَلْ قَدْ نَصَّ غَيْرُ وَّاحِدٍ مِّنَ الْعُلَمَآءِ كَاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَصْحٰبِهٖ كَاَبِيْ يُوْسُفَ وَغَيْرِهٖ مِنَ الْعُلَمَآءِ عَلٰى اَنَّهٗ لَا يَجُوْزُمِثْلَ هٰذَاالدُّعَآءِ فَاِنَّهٗ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ بِمَخْلُوْقٍ وَلَايَصِحُّ الْقَسْمُ بِغَيْرِ اللّٰهِ وَاِنْ سَاَلَهٗ بِهٖ عَلٰى اَنَّهٗ سَبَبُ وَسِيْلَةٍ اِلٰى قَضَآءِ حَاجَتِهٖ اَمَّا اِذَاسَاَلَ اللّٰهَ بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ سَبَبٌ لِلْاِ ثَابَةِ وَالدُّعَآءِ سَبَبٌ لِلْاِجَابَةِ فَسُئوالُهٗ بِذَالِکَ سُوءَ الْ بِمَا

هُوَ سَبَبٌ لِّنَيْلِ الْمَطْلُوْبِ وَهٰذَامَعْنٰى مَا يُرْوٰى فِىْ دُعَآءِ الْخُرُوْجِ اِلَى الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّى اَسْئَالُکَ بِحَقِّ السَّآئِلِيْنَ عَلَيْکَ وَبِحَقِّ مَمْشَاىَ هٰذَاوَكَذٰالِکَ اَهْلُ الْغَارِالَّذِيْنَ دَعَوُااللّٰهَ بِاَعْمٰلِهِمُ الصَّالِحَةِفَالتَّوَسُّلُ اِلَى اللّٰهِ بِالنَّبِيِّنَ هُوَا لتَّوَسُّلُ بِالْاِيْمَانِ بِهِمْ وَبِطَاعَتِهِمْ كَالصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ عَلَيْهِمْ وَمُحَبَّتِهِمْ وَمَوَالَاتِهِمْ اَوْبِدُعَآئِهِمْ وَشَفَاعَتِهِمْ وَاَمَّا نَفْسُ ذَوَاتِهِمْ فَلَيْسَ مِنْهَامَا يُقْتَضٰى حُصُوْلُ مَطْلُوْبِ الْعَبْدِ وَاِنْ كَانَ لَهُمْ عِنْدَا للّٰهِ الْجَاهُ الْعَظِيْمُ وَالْمَنْزِلَةُالْعَالِيَةُ بِسَبَبِ اِكْرَامِ اللّٰهِ لَهُمْ وَاِحْسَانِهٖ عَلَيْهِمْ وَفَضْلِهٖ عَلَيْهِمْ وَلَيْسَ فِىْ ذٰلِکَ مَا يَقْتَضِىْ اِجَا بَةَ دُعَآءِ غَيْرِ هِمْ اِلَّااَنْ يَّكُوْنَ بِسَبَبٍ مِّنْهُ اِلَيْهِمْ كَا لْاِيْمَانِ بِهِمْ وَالطَّاعَةِلَهُمْ اَوْبِسَبَبٍ مِنْهُ اِلَيْهِمْ كَدُعَآئِهِمْ لَهٗ وَشَفَاعَتِهِمْ فِيْهِ فَهٰذَانِ الشَّيْئَانِ يَتَوَسَّلُ بِهِمَا وَاَمَّااْلاَقْسَامُ بِالْمَخْلُوْقِ فَلَا وَمَايَذْكُرُبَعْضُ الْعَآمَّةِمِنْ قَوْلِهٖ اِذَا سَاَلْتُمْ فَاسْئَلُوْهُ بِجَاهِىْ فَاِنَّ جَاهِىْ عِنْدَاللّٰهِ عَظِيْمٌ حَدِيْثٌ كَذِبٌ مَّوْضُوْعٌ .

یعنی سائل کا یہ قول ہے کہ اللہ سے استغاثہ کرنے میں نبی یا فرشتہ یا اللہ کے کلام کا یا کعبہ کا وسیلہ ڈالنا یا مشہور دعاء کہ جس میں یہ لفظ ہیں باحتیاط قاف یا ام داؤد کی دعاء یا خضر

علیہ السلام کی دعاء اس طرح نام لے کر دعاء مانگنی جائز یا ناجائز؟ اور کیا جائز ہے کہ اللہ تعالی سے مانگنے میں اللہ پر قسم دے بایں طور کہ بحق فلاں بحرمۃ فلاں بمرتبہ فلاں باقرب الخلق یا قسم دلائے اللہ کو انکے اعمال کی یا افعال کی، تو اس طریق سے مانگنا جائز ہے یا نہیں ؟ جواباً کہا جاتا ہے کہ اس سوال میں کئی فصلیں ہیں لیکن وہ ادعیہ کہ جو مسنون نہ ہیں پس ان میں سوال کرنا ہے اللہ سے اس کے ناموں اور اس کی صفتوں کے ساتھ اور استعاذہ ہے اس کے کلام کے ساتھ جیسا کہ وہ دعائیں کہ جو سنن میں ہیں جیسے آپ نے فرمایا کہ۔ اے اللہ ! میں سوال کرتا ہوں تجھ سے بایں طور کہ تو اللہ ہے اکیلا ہے بے احتیاج ہے وہ جو نہ جنا اور جنایا گیا اور نہیں ہے واسطے اسکے برابری کرنے والا کوئی۔ اور مانند اس دعاء کے جو مسند احمد میں ہے اے اللہ تحقیق میں سوال کرتا ہوں تجھ سے ساتھ ہر ایک اس نام کے جو تیرا نام ہے کہ نام رکھا تو نے وہ خاص ہے تیرے لئے یا اتارا اسکو اپنی کتاب میں یا معلوم کرایا تو نے کسی کو اپنی مخلوق میں سے یا پسند کر لیا تو نے اس کو اپنے علم غیب میں تیرے پاس ہے لیکن وہ دعائیں جو بعض الناس کرتے ہیں لکھتے ہیں اس کو بیچنے والے تعویذوں کے اندر جس میں باحتیاط قاف اور طور وعرش وکرسی وزمزم ومقام ومکہ وغیرہ ہوتا ہے، پس یہ دعائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے یا ائمۃ المسلمین سے ثابت نہیں اور نہیں لائق ہے کسی کو یہ کہ قسم دلائے ساتھ اسکے کسی حالت میں بلکہ تحقیق ثابت ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا جو کوئی قسم کھانا چاہے وہ اللہ کی قسم کھائے یا چپکا رہے اور فرمایا جو کوئی قسم کھائے گا اللہ کے سوا کسی اور چیز کی پس وہ مشرک ہے۔ پس نہیں لائق ہے کسی کو یہ کہ قسم

کھائے کسی مخلوق کی کبھی بھی ۔ اور تحقیق فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک بعض بندے اللہ کے ایسے ہیں کہ اگر قسم کھا بیٹھیں اللہ پر تو ضرور نیک کر دکھلائے اللہ ان کی قسم کو جیسے کہ کہا تھا انس بن نضرؓ نے کیا توڑے جائے گا دانت ربیع کے؟ نہیں قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جسنے آپ کو حق دیکر بھیجا ہے ربیع کے دانت نہیں توڑے جائے گا اور جیسے براء بن مالک نے کہا تھا اے رب میں تجھے قسم دلاتا ہوں کہ تو ایسا ایسا نہ کرے اور یہ دونوں ان شخصوں میں سے تھے کہ اللہ نے انکی قسموں کو پورا کر دکھایا اور بندہ اپنے رب سے سوال کرتا ہے ان وسائل واعمال کے ذریعہ جو (عنداللہ) مطلوب نہیں وہی اعمال صالحہ ہیں جن کے اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے ۔ اور وہ دعائیں جن کے ذریعہ دعائیں مانگنے والے موءمنین کی دعائیں قبول ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے نیک اعمال پر ثواب کا وعدہ کیا ہے ان اعمال ودعاء کے واسطے سے یا پھر جیسے صحابۂ کرام نے محمدؐ سے دعاء کرائی پھر آپکے چچا عباسؓ سے اور نیک وصالحین کی دعاؤں کا وسیلہ لیتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ عمر بن الخطاب نے حضرت عباسؓ کی دعاء کا وسیلہ کیا اے اللہ ہم تیرے نبی محمدؐ کی دعاء کے ذریعہ تجھ سے بارش مانگتے تھے اب ہم تیرے نبی کے چچا کو دعاء کے لئے لاتے ہیں انکی دعاء کا وسیلہ پیش کرتے ہیں ہمکو بارش دے ۔ تو یہ دعاء کا توسل اور شفاعت ہوئی نہ کہ ذات کا توسل یا شفاعت ۔

اہل سنن نے اس کو روایت کیا ہے اور ترمذیؒ نے صحیح کہا ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ میرے واسطے دعاء کیجئے کہ اللہ تعالی مجھکو

بینا کردے، تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے اور اس طرح دعاء مانگے، اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی کو تیری طرف متوجہ کرتا ہوں جن کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے (رحمۃ للعالمین ہیں) اے محمد اے اللہ کے رسول میں آپ کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوں کہ اللہ میری اس حاجت کو پورا فرمادے، اے اللہ تو سفارش قبول کر آپ ﷺ کی میرے بارے میں، بس اس میں صاف واضح ہے کہ صحابی نے اللہ کے نبیؐ سے مطالبہ کیا اور آپ نے اسکو اس طرح دعاء مانگنے کا حکم دیا کہ اللہ سے کہے کہ (جو دعاء میرے حق میں تیرا نبی مانگے جو سفارش وشفاعت تیرا نبی میرے حق میں کرے اے اللہ تو اسے قبول فرما) یہ توجہ اور توسل تو محض آپ کی دعاء اور اللہ کی جناب میں شفارش ہے اب یہ رہا کہ کہنے والا یا سوال کرنے والا کہ میں سوال کرتا ہوں اے اللہ تیرے سے یا قسم دلاتا ہوں تجھ کو ملائکہ کے حق کی یا نبیوں کے حق کی یا فلاں نبی کی یا بیت اللہ الحرام (خانہ کعبہ) کی۔ زمزم کی، طور کی، بیت المعمور کی وغیرہ وغیرہ تو اس قسم کی دعاء کسی سے ثابت نہیں نہ اللہ کے نبی محمدؐ سے نہ صحابہ میں سے کسی سے نہ تابعین میں سے کسی سے بلکہ اکثر علماء نے ایسی دعاؤں کو ناجائز کہا ہے خاص کر امام ابوحنیفہ اور انکے شاگرد امام یوسفؒ وغیرہ علماء نے فرمایا اس طرح سے دعاء کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ پر قسم دلائی گئی ہے اسکی مخلوق کی جبکہ کسی بھی مخلوق کی قسم کھانا ہی ناجائز ہے۔ اگر چہ وہ اسکو بزرگوں کا وسیلہ سمجھ کر ہی ایسا کرے لیکن جب اللہ سے دعاء کرے اعمال صالحہ کا واسطہ ڈال کر یا نبیؐ کی دعاؤں کے ذریعہ یا نیک وصالحین سے دعاء کرائے تو یہ جائز اور درست ہے کیونکہ

اعمال صالحہ سبب ہیں بدلہ کے واسطے اور دعاء سبب ہے قبولیت کے واسطے تو معلوم ہوا کہ حصول مطلب کیلئے اعمال صالحہ اور دعائیں ہی سب سے بڑا وسیلہ ہیں اور یہی معنی ومطلب اس دعا کا ہے جو نماز کے لئے جاتے وقت پڑھی گئی۔ اے اللہ تجھ سے سوال کرنے والوں کا جو حق ہے تجھ پر اور میرے نماز کے واسطے چلکر جانے پر جو ثواب کا حق ہے تجھ پر ان کے وسیلے سے میری دعاء قبول فرما مجھے دے کیونکہ اللہ سے سوال کرنا بھی نیک عمل اور نماز کے لئے جانا بھی نیک عمل ہے اسی لئے غار والو نے اپنے نیک عمل کا ذکر کر کے اللہ سے غار کھولنے کی دعاء کی تو معلوم ہوا کہ نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ توسل پکڑنا یہی ہے کہ ان پر ایمان لایا جائے اور انکی تعلیم کو اپنا کر فرائض الٰہی کی پابندی کی جائے۔ ان پر درود بھیجا جائے ان سے سچی محبت رکھ کر ان کی سنتوں کو اپنایا جائے۔ یہ سچا اور صحیح وسیلہ ہے لیکن ان کی ذا سے یا ان کی ذات کے وسیلہ یا توسل سے، یہ کسی طرح بھی ثابت نہیں پایا جاتا کہ طالب اپنے مطلوب کو پہنچ جائے گا اگر چہ ان انبیاء ورسل کا درجہ اللہ کے نزدیک بلند اور بڑا ہے اس دنیا سے ان کے گزر جانے کے بعد انکی دعاء کے حصول کا کوئی ثبوت نہیں ہے ہاں انکی تعلیم پر عمل پیرا ہونا ان پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت اور فرمانبرداری میں زندگی گزارنا یہ سبب ہے ان سے استفادہ کا ان کی دعاؤں کا مستحق بننے کا اور ان کی شفاعت کا حقدار ہونے کا۔ یہ ہے توسل یا وسیلہ انبیاء ورسل کا لیکن اللہ پر اسکی کسی مخلوق کی قسم دلانا وغیرہ جائز نہیں ہے بعض لوگ اس سلسلہ میں یہ موضوع اور ضعیف حدیثیں پیش کرتے ہیں جو درست نہیں ہے۔

یہ عربی عبارت ترجمہ کے ساتھ ساتھ تحریر کی گئی ہے جو کہ علامہ ابن تیمیہؒ کے فتاوی کی ہے جنکے متعلق ملا علی قاری حنفی نے اپنی کتاب (جمع الوسائل فی شرح الشمائل) جلد اول کے صفحہ ۱۶۸ مطبوعہ مصر میں تحریر کیا ہے۔ ﴿ اِنَّ هُمَا كَانَا مِنْ اَكَابِرِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَمِنْ اَوْلِيَآءِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ ﴾ یعنی امام ابن قیمؒ اور امام ابن تیمیہؒ اہل السنّت والجماعت میں سے تھے اور اسی امت کے اولیاء میں سے تھے۔ تفسیر روح المعانی آلوسی کے صفحہ ۲۹۸ میں ہیں کہ ﴿وَاخْتَلَفَ الْاَئِمَّةُ فِي اسْتِقْبَالِهٖ عِنْدَ السَّلَامِ فَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهٗ لَا يَسْتَقْبِلُ بَلْ يَسْتَدْبِرُ وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ يَسْتَقْبِلُ وَقْتَ السَّلَامِ وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ وَيَسْتَدْبِرُ وَقْتَ الدُّعَآءِ وَالصَّحِيْحُ الْمَعْوَلُ عَلَيْهِ اَنَّهٗ يَسْتَقْبِلُ وَقْتَ السَّلَامِ ،وَ عِنْدَ الدُّعَآءِ يَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ وَيَجْعَلُ الْقَبْرَ الْمُكَرَّمَ عَنِ الْيَمِيْنِ اَوِ الْيَسَارِ ﴾

ترجمہ۔ اور اختلاف کیا ہے اماموں نے سلام کے وقت منہ کرنے میں۔ امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ منہ نہ کرے قبر کی طرف بلکہ پیٹھ کرے اور منہ قبلہ کی طرف کرے اور بعض نے کہا ہے کہ سلام کے وقت منہ کرے اور دعاء کے وقت پیٹھ قبر کی طرف کر کے قبلہ کی طرف منہ کرے اور صحیح بات یہ ہے کہ سلام کے وقت منہ قبر کی طرف کرے اور دعاء کے وقت قبلہ کی طرف اور قبر کو دائیں یا بائیں جانب کرے۔

فائدہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ کرام کو کس قدر احتیاط تھی کہ قبر کی طرف منہ کر کے اللہ

سے بھی دعا کرنے کو بُرا سمجھتے تھے بلکہ قبر کو پس پشت یا دائیں بائیں رکھتے تھے تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل قبور سے شاید امداد مانگ رہے ہوں یا ان کو ایسے حالات میں اپنی حاجات کے لئے اللہ کے یہاں وسیلہ ڈالتے ہوں بلکہ اہل قبور کے لئے تو زائرین نے خود دعا مانگی اور ان کے مراتب کو بلند کرنے کیلئے اللہ کی درگاہ میں انکے وسیلہ بنے اس لئے مرنے کے بعد تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ زندہ آدمی کے دعاء مانگنے سے میت کو بہت فائدہ پہنچتا ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پس امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی وسیلہ دعاء کا نام ہے نہ ذات کا، اور مردوں کے لئے زندوں کا وسیلہ ہے نہ کہ زندوں کے لئے مردوں کا اسی لئے امت کا دعا مانگنا ہی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اذان کے بعد اس سے اگر آپ کو کچھ فیض نہ ہو تو ایسی دعا کا ہی کیا مقصد و فائدہ؟ اور دعا ﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ﴾ اذان کے بعد پڑھنے سے کیا حاصل؟ جبکہ آپ کو کچھ فائدہ نہ پہنچا، لہذا دعاء کرنے والے کا بھی فائدہ اور جس کے لئے دعاء کی جائے اسکو بھی فائدہ۔

روح المعانی کی دوسری عبارت صفحہ ۲۹۸ (۳) ﴿وَاَنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ اَلْاَدْعِيَةَ الْمَاثُوْرَةَ عَنْ اَهْلِ الْبَيْتِ الطَّاهِرِيْنَ وَغَيْرِهِمْ مِنَ الْاَئِمَّةِ لَيْسَ فِيْهَا التَّوَسُّلُ بِالذَّاتِ الْمُكَرَّمَةِ﴾

ترجمہ، اور تم کو معلوم ہے کہ اہل بیت الطاہرین وائمہ وغیرہ سے جو دعائیں منقول و ثابت ہیں ان میں کہیں بھی ذات مکرم کے وسیلہ کا ذکر نہیں۔

﴿فَاِنَّهٗ لَوْ كَانَ التَّوَسُّلُ بِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بَعْدَ انْتِقَالِهٖ

مِنْ هٰذِهِ الدَّارِ لَمَا عَدَلُوْآ اِلٰی غَیْرِہٖ بَلْ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا فَاسْقِنَا وَحَاشَا ھُمْ اَنْ یَّعْدِلُوْا عَنِ التَّوَسُّلِ بِسَیِّدِ النَّاسِ اِلَی التَّوَسُّلِ بِعَمِّہِ الْعَبَّاسِ وَھُمْ یَجِدُوْنَ اَدْنٰی مَسَاغٍ لِّذٰلِکَ فَعَدُوْلُھُمْ ھٰذَا مَعَ اَنَّھُمُ السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ وَھُمْ اَعْلَمُ مِنَّا بِاللّٰہِ تَعَالٰی وَرَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبِحُقُوْقِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَرَسُوْلِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَمَا یُشْرَعُ مِنَ الدُّعَآءِ وَمَا لَا یُشْرَعُ وَھُمْ فِیْ وَقْتِ ضُرُوْرَۃٍ وَّمَخْمَصَۃٍ یَّطْلُبُوْنَ تَفْرِیْجَ الْکُرُبَاتِ وَتَیْسِیْرَ الْعَسِیْرِ وَاِنْزَالَ الْغَیْثِ بِکُلِّ طَرِیْقٍ دَلِیْلٍ وَّاضِحٍ عَلٰی اَنَّ الْمَشْرُوْعَ مَا سَلَکُوْہُ دُوْنَ غَیْرِہٖ ﴾

ترجمہ۔خلاصہ بامحاورہ، پس اگر توسل بعد وفات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جائز ہو تا تو صحابہ کرامؓ عدول نہ کرتے دوسری طرف بلکہ یوں کہتے کہ الٰہی ہم اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ توسل کرتے ہیں ہم پر مینہ برسا حاشا کہ وہ سید الناس نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا توسل چھوڑ کر ان کے چچا عباسؓ کا توسل اختیار کرتے اگر کچھ بھی گنجائش دیکھتے ۔پس انکا حضرت عباس کی طرف جانا باوجود اس کے کہ وہ سابقین اولین میں سے تھے اور اللہ تعالی اور اسکے رسول علیہ الصلوۃ والسلام اور انکے حقوق کو ہم سے زیادہ جانتے تھے اور دعاء کی مشروعیت اور غیر مشروعیت سے خوب واقف تھے اور اوقات شدائد وقحط وغیرہ

میں آسانی اور رفع تکالیف کی دعاء کرتے تھے اس امر پر دلیل واضح ہے کہ موافق شرع وہی طریقہ ہے جوانھوں نے اختیار کیا (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد وفات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کیا۔

مرقات شرح مشکوۃ ملا علی قاری میں ہے۔

(۴) ﴿وَفِیْ بَعْضِ الْکُتُبِ الْاِلٰھِیَّۃِ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَاُقَطِّعَنَّ مَنْ یَّتَوَسَّلُ غَیْرِیْ وَاُلْبِسَنَّہٗ ثَوْبَ الْمَذِلَّۃِ عِنْدَ النَّاسِ وَلَاُجَنِّبَنَّہٗ مِنْ قُرْبِیْ وَلَاُبْعِدَنَّہٗ مِنْ وَّصْلِیْ وَلَا جْعَلَنَّہٗ مُتَفَکِّرًا حَیْرَانَ یُوْسِلُ غَیْرِیْ فِیْ الشَّدَآئِدِ وَالشَّدَآئِدُ بِیَدِیْ وَاَنَاالْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَیَطْرُقُ بَا لْفِکْرِ اَبْوَابَ غَیْرِیْ وَبِیَدِیْ مَفَاتِیْحُ الْاَبْوَابِ وَھِیَ مُغْلَّقَۃٌ وَبَابِیْ مَفْتُوْحٌ لِّمَنْ وَّعَانِیْ﴾

ترجمہ:۔ اور بعض کتب الٰہیہ میں یہ ہے کلام اللہ تعالیٰ کا قسم ہے مجھ کو اپنی عزت وجلال کی کہ قطع کروں گا میں اس کو جو میرے سوا کسی دوسرے کا وسیلہ پکڑیگا اور پہناؤں گا اس کو لباس ذلت آدمیوں کے سامنے اور دور کروں گا اپنے قرب سے اور بعید کروں گا اپنے وصل سے اور اس کو متفکر وحیران کردوں گا طرح طرح کی مصیبتوں میں میرے سوا سے وسیلہ کرتا ہے حالانکہ سختیوں کا دور کرنا میرے اختیار میں ہے اور میں زندہ کارساز ہوں اور دوسروں کے دروازے پر جاتا ہے حالانکہ کنجیاں دروازوں کی میرے ہاتھ میں ہیں اور وہ دروازے بند ہیں اور میرا دروازہ ہر پکارنے والے کے لئے ہر وقت کھلا ہوا ہے

فتوح الغیب میں شیخ عبدالقادر گیلانی فرماتے ہیں

(۵) ﴿عَلَیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَلَا تَخَفْ اَحَدًا سِوَی اللّٰہِ وَلَا تَرْجُ اَحَدًا سِوَی اللّٰہِ وَوَکِّلَ الْحَوَآئِجَ اِلَی اللّٰہِ وَلَا تَعْتَمِدْ اِلَّا اِلَیْہِ وَاطْلُبْھَا جَمِیْعًا مِّنْہُ﴾

ترجمہ:۔ لازم پکڑ لے پرہیز گاری کو اور نہ ڈر کسی سے سوائے اللہ کے اور نہ امید رکھ کسی سے سوائے اللہ کے اور سب حاجتیں اللہ کے سپرد کر دے اور بھروسہ سوائے اللہ تعالی کے اور کسی سے نہ کر اور سب حاجتیں اللہ تعالی سے ہی طلب کر۔

دوسری جگہ شیخ صاحب فرماتے ہیں:

(۶) ﴿فَلَا تَذْھَبَنَّ بِھِمَّتِکَ اِلٰی اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِہٖ فِیْ مَعَا فَاتِکَ فَذَاکَ اِشْرَاکٌ مِّنْکَ بِہٖ﴾

ترجمہ:۔ پس نہ لیجا اپنی حاجت کو کسی مخلوق کے پاس واسطے دفع کرنے بلا کے پس ایسا کام شرک کرنا تیرا ہے اللہ تعالی کے ساتھ

ایضاً (۷) ﴿وَاجْعَلِ الْکِتٰبَ وَالسُّنَّۃَ اِمَامَکَ وَانْظُرْ فِیْھَا بِتَاَمُّلٍ وَتَدَبُّرٍ وَّاعْمَلْ بِھِمَا﴾

ترجمہ:۔ کتاب وسنت کو اپنا امام بناؤ اور ان کو غور وتامل سے دیکھو اور ان پر عمل کرو۔

اور ابوموسیٰ حنفی فرماتے ہیں

(۸) ﴿وَتَحْقِیْقُ الْکَلَامِ فِیْ ھٰذَا الْمَقَامِ اَنَّ الْاِسْتِغَاثَۃَ

بِمَخْلُوْقٍ وَجَعْلَهٗ وَسِيْلَةً بِمَعْنٰى طَلَبِ الدُّعَآءِ مِنْهُ لَا شَكَّ فِيْ جَوَازِهٖ اِنْ كَانَ الْمَطْلُوْبُ مِنْهُ حَيًّا وَلَا يَتَوَقَّفُ عَلٰى اَفْضَلِيَّتِهٖ مِنَ الطَّالِبِ بَلْ قَدْ يَطْلُبُ الْفَاضِلُ مِنَ الْمَفْضُوْلِ فَقَدْ صَحَّ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعُمَرَ لَمَّا اسْتَاْذَنَهٗ فِي الْعُمْرَةِ لَا تَنْسَانِيْ يَا اَخِيْ مِنْ دُعَآئِكَ وَاَمَرَهٗ اَيْضًا اَنْ يَّطْلُبَ مِنْ اُوَيْسِ الْقَرَنِيِّ اَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَهٗ وَاَمَرَ اُمَّتَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَلَبِ الْوَسِيْلَةِ لَهٗ كَمَا مَرَّ اٰنِفًا وَبِاَنْ يُّصَلُّوْا عَلَيْهِ وَاَمَّا اِذَا كَانَ الْمَطْلُوْبُ مِنْهُ مَيِّتًا اَوْ غَآئِبًا فَلَا يَسْتَرِيْبُ عَالِمٌ اَنَّهٗ غَيْرُ جَآئِزٍ وَاَنَّهٗ مِنَ الْبِدَعِ الَّتِيْ لَمْ يَفْعَلْهَا اَحَدٌ مِّنَ السَّلَفِ پھر لکھتے ہیں وَلَمْ يُرْدَعَنْ اَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَهُمْ اَحْرَصُ الْخَلْقِ عَلٰى كُلِّ خَيْرٍ اَنَّهٗ طَلَبَ مِنْ مَّيِّتٍ شَيْئًا﴾

ترجمہ:۔ اور تحقیق کلام اس مقام میں یہ ہے کہ استغاثہ مخلوق سے اور اس کا وسیلہ بنانا بیشک جائز ہے جب کہ وہ جس کو وسیلہ بناتا ہے زندہ ہو اور یہ طالب کے افضل ہونے پر موقوف نہیں بلکہ اعلیٰ ادنیٰ سے طلب کر سکتا ہے چنانچہ ثابت ہوا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عمرہ کی اجازت چاہی تو فرمایا کہ بھائی مجھ کو دعاء میں نہ بھولنا نیز اویس قرنیؒ سے استغفار کا حکم دیا تھا اور اپنی امت کو حکم دیا ہے کہ حضرت کے واسطے وسیلہ کی دعا کریں اور حضرت پر درود بھیجیں لیکن اگر وہ شخص جس سے طلب کی جاتی ہے مردہ ہو یا غائب ہو تو کوئی عالم باللہ

شک نہیں کرسکتا کہ یہ ناجائز ہے اور ایسی بدعت ہے کہ کسی نے سلف میں نہیں کی نہ کسی صحابی سے مروی ہے کہ کسی مردہ سے کچھ نہیں مانگا حالانکہ وہ صحابہ امور خیر میں سب مخلوق سے زیادہ حریص تھے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ استغاثہ دو قسم کا ہے ایک مخلوق کا مخلوق کے ساتھ جیسے دنیاوی کام میں مدد دینی، سر پر بوجھ اٹھانا، پانی پلا دینا کام کاج کر دینا، تو اس قسم کی استمداد و استغاثہ سب کے نزدیک جائز ہے اور قرآن مجید کی آیت بھی دلالت کرتی ہے جیسے ﴿فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ﴾ (پ۲۰ سورہ قصص)

یعنی موسیٰ علیہ السلام سے ان کے گروہ کے آدمی نے فریاد کی دشمن کے دفعیہ میں ایضا ﴿وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ﴾ پ۱۰ سورہ توبہ یعنی اگر دین کے کام میں تم سے مدد مانگیں تو مدد کرو لیکن اس میں سے بھی یہ یقین رکھے کہ یہ انسان جس سے مدد لی ہے ایک ظاہری سبب ہے اور دراصل مددگار وہی ذات پاک ہے کہ بغیر اس کی مشیت کے پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ (استغاثہ شرعیہ وشرکیہ کے دلائل تفسیر سورہ فاتحہ میں ملاحظہ ہوں)

دوسری استمداد و استغاثہ مخلوق سے اسی احوال میں کہ جس پر وہ قادر نہیں، خواہ عدم قدرت اس لئے ہو کہ فقدان آلہ حیات ہے یا اس لئے ہو کہ وہ امور مخصوص ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ہیں۔ پس ان دونوں صورتوں میں جو کہ دوسری قسم میں داخل ہیں استغاثہ و استمداد مخلوق سے ناجائز ہے جیسا کہ غفران ذنوب یا ہدایت یا عطائے رزق وغیرہ کہ یہ

امور مخصوص ذات باری تعالیٰ ہیں اور نصوص کلام مجید اس پر دال ہیں فرمایا ﴿وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے کون گناہ بخشے گا۔ اور فرمایا ﴿اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ (پ ۲۰ سورہ قصص) اے پیغمبر تم جس کو چاہو گے ہدایت نہ کر سکو گے لیکن جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا ہدایت کرے گا، اور فرمایا ﴿ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ﴾ (پ۲۲ سورہ فاطر) کیا کوئی خالق سوائے اللہ تعالیٰ کے ہے کہ جو رزق دیوے۔

اور رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عدم اختیار ان آیات سے ثابت ہوتا ہے فرمایا لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ (پ۴ سورہ ال عمران) یعنی تیرا کچھ اختیار نہیں ہے (اللہ کی صفات میں) اور فرمایا ﴿قُلْ لَّا اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ﴾ (سورہ اعراف) یعنی کہہ دو کہ میں اپنے نفس کے واسطے مالک نفع و نقصان کا نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے سو کرے یعنی نہ اپنے کو نفع پہنچا سکتا ہوں نہ اپنے سے نقصان ہٹا سکتا ہوں۔

ان تمام امور کا فیصلہ اللہ پاک نے ایک ہی آیت میں کر دیا جو ہر مصلی بندہ اللہ کی بارگاہ میں کئی بار کہتا ہے ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ یعنی اے اللہ ہر عبادت خالص تیرے ہی لئے کرتے ہیں ہم اور ہر اعانت تجھ ہی سے مانگتے ہیں۔

اللہ کے سامنے کچھ کہنا اور دوسری جگہ جا کر اللہ کے سوا کسی اور سے بھی طلب کرانا

یہ سچے غلاموں کا کام نہیں۔ وعدہ کر کے پھر جانا بے وفاؤں کا کام ہے، اللہ نے یہ تعلیم نہیں کی ﴿ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ بحق فلاں یعنی تجھ سے مدد مانگتے ہیں بوسیلہ فلاں بلکہ مانگنے والے کے درمیان سے وسیلہ کو ہٹا کر اپنا اور مانگنے والے کا تعلق بلا واسطہ اپنی ذات سے رکھا ہے اور اسی واسطے اِیَّاکَ کا تقدم نَسْتَعِیْنُ پر دلالت کرتا ہے کہ خاص استعانت اللہ تعالیٰ سے چاہے اور کسی سے نہیں (قاعدہ عربیہ) کیونکہ اس کے معنی یہی ہیں کہ اے اللہ تیری ہی خاص عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے خاص مدد مانگتے ہیں۔ جو شخص اعانت غیر سے جائز رکھے گا وہ ایک دن عبادت بھی غیر کی کرے گا۔ اس لئے کہ دونوں کے رتبے ایک ہیں۔ نبی نے ایک روایت میں بالکل فیصلہ فرما دیا۔ فرمایا ﴿ اَلْبَرَکَۃُ مِنَ اللّٰہِ ﴾ (صحیح بخاری) یعنی برکت کا دینا یہ اللہ کا کام ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ ملا علی قاری میں ہے اَیْ لَا مِنْ اَحَدٍ سِوَاہُ.

قصہ کوتاہ جب ہر ایک چیز میں برکت دینے والا اللہ ہی ہے تو ہر حاجت اسی سے طلب کرنی چاہئے۔ افسوس جو عوام استغاثہ اور وسیلہ بالذات کے قائل ہیں ان کو کم از کم اپنے امام صاحب کا تو خیال کرنا چاہیے کہ وہ کیا کہتے ہیں اور ان کی کتابوں میں کیا ہے شرح فقہ اکبر ملا علی قاری میں ہے۔

(۹) ﴿قَالَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ وَ صَاحِبَاہُ یُکْرَہُ اَنْ یَّقُوْلَ الرَّجُلُ اَسْاَلُکَ بِحَقِّ فُلَانٍ اَوْ بِحَقِّ اَنْبِیَائِکَ وَ رُسُلِکَ وَ بِحَقِّ الْبَیْتِ الْحَرَامِ وَالْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَ نَحْوِ ذٰلِکَ وَ لَیْسَ لِاَحَدٍ

عَلَى اللّٰهِ حَقٌّ ﴾

دوم ہدایہ کی عبارت، ﴿ وَيُكْرَهُ اَنْ يَّقُوْلَ مِنْ دُعَآئِهٖ بِحَقِّ فُلَانٍ اَوْ بِحَقِّ اَنْبِيَآئِكَ وَ رُسُلِكَ لِاَنَّهٗ لَاحَقَّ لِلْمَخْلُوْقِ عَلَى الْخَالِقِ ﴾

ترجمہ: امام ابوحنیفہ اور صاحبانؒ کے نزدیک مکروہ ہے لفظ بحق فلان و بحق البیت الحرام والمشعر الحرام اور اسی کے مانند لفظ بحق کے ساتھ دعا مانگنا اس لئے کہ اللہ پر کسی کا حق نہیں ہے۔

اور مکروہ ہے کہ کہے اپنی دعاء میں بحق فلان یا بحق تیرے انبیاء رسل کے کیونکہ کوئی حق مخلوق کا خالق پر نہیں۔

درمختار میں بھی یہی لکھا ہے کہ مکروہ ہے بحق فلاں کہنا۔

مولوی خیر محمد جالندھری نے اپنے رسالہ خیر الوسیلہ میں لکھا ہے کہ علماء دیوبند کے نزدیک دعاء میں انبیاء وصلحاء اولیاء شہداء وصدیقین کا توسل جائز ہے ان کی حیات میں اور بعد وفات کے بھی۔ نیز صفحہ ۱۲ پر لکھا ہے کہ ﴿ بِحَقِّ عِبَادِكَ اَوْ بِحُرْمَةِ نَبِيِّكَ وَوَلِيِّكَ ﴾ جائز ہے۔

معلوم ہوا اس مسئلہ میں علماء دیوبند و بریلویہ کا ایک مذہب ہے۔ یہ سب کے سب قائلین توسل بالذات ہیں جو فقہ حنفیہ اور امام ابوحنیفہ کے سراسر خلاف ہے۔

اب ان کتب حنفیہ کی تکذیب کریں یا امام صاحب کی تنقیص کریں۔ یہ قائلین توسل بالذات کو اختیار ہے۔ اب ہم ایک واقعہ پر اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

(۱۰) فرمایا رسول ﷺ نے ﴿ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا

فَهُوَ رَدٌّ (مسلم)﴾ جس نے ایسا عمل کیا جو ہمارا طریقہ نہیں ومردود ہے۔

اب قائلین توسل بالذات ثابت کریں کہ شہداء احد کی قبور سے کبھی استعانت کی گئی یا صحابہؓ نے حضرت ﷺ کی قبر سے کبھی دعا کی اور مدد مانگی یا ملک شام جب فتح ہوا تو اس وقت انبیاء علیہم السلام کی قبور پر جا کر مدد مانگی یا جیسے اب رواج ہے ایسے مجمع وہاں کئے یا دعائیں کیں یا جو تعلیم فرمائی ان میں استمداد وتوسل بعد ممات کا ذکر ہے یا کلام اللہ میں جو اللہ پاک نے دعاء کی تعلیم کی ہے اس میں کبھی توسل بعد الممات کا ذکر ہے۔

اب ہم ایک قول پر مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ حضرت سجاد کا قول ہے ﴿ اِنَّ طَلَبَ الْمُحْتَاجِ مِنَ الْمُحْتَاجِ سَفَهٌ فِیْ رَأْیِهٖ وَضَلَّةٌ فِیْ عَقْلِهٖ ﴾ یعنی محتاج کا محتاج سے مانگنا رائے کی غلطی اور عقل کی گمراہی یا خرابی ہے جس کو کسی شاعر نے یوں ادا کیا ہے۔

نظم

اللہ فرما چکا قرآن کے اندر	میرے محتاج ہیں پیرو پیمبر
نہیں طاقت سوا میرے کسی میں	کہ کام آوے تمہاری بیکسی میں
جو خود محتاج ہو وہ دوسرے کا	بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا
اللہ سے اور بزرگوں سے بھی کہنا	یہی ہے شرک یارو اس سے بچنا
خبر قرآن میں ہے یہہ محقق	نہ بخشے گا اللہ مشرک کو مطلق
معاذ اللہ جسے اس نے نہ بخشا	ضرور وہ جہنم میں پڑیگا

اگر قرآن کو سچا جانتے ہو — تو پھر تم منتیں کیوں مانتے ہو
تمہیں یہ طور بد کس نے سکھا یا — محمد ﷺ نے کہاں ہے یہ بتایا
یہ شیطان دشمن اولاد آدم — سکھاتا ہے وہی راہ جہنم
کسی کو بت پرستی ہے سکھاتا — کسی کو ہے وہ قبروں پر جھکاتا
غرض اللہ سے دونوں کو روکا — بھلا کر راہ حق ، خندق میں جھونکا
مسلمانوں ! ذرا سوچو تو دل میں — پھنسے ہو کس طرح تم آب وگل میں
بہت غفلت میں سوئے اب تو جاگو — اللہ کے ہوتے بندوں سے نہ مانگو
وہ مالک ہے سب آگے اسکے لاچار — نہیں ہے کوئی اسکے گھر کا مختار
وہ کیا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے — جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے
ارے لوگوں ! زباں اپنی کو روکو — بزرگوں سے نہیں انکار ہم کو
اللہ لعنت کرے اس روسیاہ پر — کہ جسکے دل میں ہو بغض پیمبر
جسے ہو بغض آلِ مصطفے کا — اللہ اس کو کرے دوزخ کا کندہ
جسے اصحابؓ حضرت سے ہو انکار — برسے ہر دم اللہ کی اسپر پھٹکار
جسے کچھ بغض ہو وے اولیاء سے — ہمیشہ ابر لعنت اس پہ برسے
اب اتنا اور بھی سن رکھئے حضرت — جو حق پر نہ چلے اس پر بھی لعنت
ہمارا کام سمجھانا ہے یارو — اب آگے چاہے تم مانو نہ مانو
اب اپنے حال میں کچھ سوچ خزم — زبان اب بند کرو اللہ اعلم

فصل چوتھی سماع موتی کے بیان میں

سماع موتی یعنی مردے سنتے ہیں یا نہیں؟ اس کے متعلق دو مذہب ہیں (۱) یہ کہ سنتے ہیں (۲) یہ کہ نہیں سنتے

نمبر اول میں پھر دو فریق ہیں (۱) یہ کہ سنتے ہیں لیکن وہ کسی زندہ آدمی کی اعانت کسی طرح نہیں کر سکتے بلکہ خود زندوں کے محتاج ہیں کہ اگر زندہ آدمی ان کے لئے دعا مانگے ان کی طرف سے صدقہ وخیرات کرے تو اس کا ثواب انکو پہنچتا ہے یعنی مردوں کو زندوں سے نفع ملتا ہے نہ کہ زندوں کو مردوں سے۔ اس عقیدہ والوں کے ادلہ قرآن وحدیث میں بہت ہیں اور یہی مذہب اہل حدیث یعنی فرقہ محمدی کا ہے جس کی تفصیل آیندہ آوے گی انشاء اللہ

(۲) یہ کہ سنتے ہیں اور ان سے فیض حاصل ہوتا ہے اسی وجہ سے انکی قبروں پر سجدہ کرتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں پھول چڑھاتے ہیں، نذر ونیاز کرتے ہیں، منتیں مانگتے ہیں، طلب حاجات کرتے ہیں، ہاتھ جوڑے کھڑے رہتے ہیں، طواف کرتے ہیں۔ بڑی تعظیم وتکریم سے ان کا نام لیتے ہیں، مجاور بنکر بیٹھتے ہیں، چراغ بتی جلاتے ہیں، قبروں کو پختہ بناتے ہیں، اس کو اپنا قبلہ سمجھتے ہیں، ان کے نام کی تسبیح رولتے ہیں، ان کی قبروں کو پیٹھ نہیں دیتے اسباب نہیں رکھنے دیتے، طرح طرح کی خوشبوؤں سے اس قبر کو مزین کرتے ہیں، دھونی مارتے ہیں، کئی کئی منزلوں سے پیدل سفر کر کے آتے ہیں، اس کی بھینٹ چڑھاتے

ہیں، غلاف اڑھاتے ہیں، اس سے برکت حاصل کرتے ہیں، ان قبر والوں کو اپنے لئے مشکل کشا سمجھتے ہیں، اللہ کی جناب میں شفیع اور ان کو حالت قبر میں دعاء کرنے والے خیال کرتے ہیں، اللہ سے بھی زیادہ رتبے دیتے ہیں، قبروں کو عید گاہ میلے ٹھیلے بناتے ہیں حالانکہ یہ امور شرک و بدعت ہیں۔ اس قسم کے عقیدہ والوں کے پاس نہ تو کوئی آیت کریمہ ہے اور نہ کوئی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول وفعل نہ ائمہ مجتہدین کا قول وفعل بلکہ نہ الا الذی نہ الا الذی یعنی نہ تو اہل حدیث ہیں اور نہ تو پکے حنفی ہیں بلکہ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ یعنی اس قسم کے لوگ جانوروں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی سے زیادہ گمراہ۔ اس لئے کہ جانور مرفوع القلم ہیں بے عقل ہیں، اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، اور یہ حضرت انسان باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونے کے پھر اس کو اتنی بھی خبر نہیں کہ کیا کام جائز ہیں اور کیا کام حرام ہیں اس لئے فرمایا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ﴾ یعنی پھر لوٹا دیا ہم نے اس انسان کو نیچے سے نیچے والے طبقے جہنم میں کہ جہاں پر کوئی بد سے بد حیوان بھی نہیں جائے گا اسلئے کہ اعمال شرکیہ وکفریہ وبدعیہ کرتا ہے، اللہ ورسول کی شریعت اور احکام کو نہیں معلوم کرتا۔ اس کے متعلق بھی قدرے تفصیل دو نمبر میں آئے گی ان شاء اللہ (۲) اس اعتقاد کے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے اور صرف سوال وجواب کے وقت یا یہ کہ پیغمبر صاحب کا معجزہ ہو یہ دونوں دو نمبر کے معتقدین ایک ہی امام کے ماننے والے اور ایک ہی مذہب کے نام لیوا ہیں اور سماع موتی

میں ہر فریق دوسرے کا مخالف اور سخت دشمن حتی کے اسلام کے دائرے سے ایک دوسرے کو نکالنے والا ۔ جو علماء اس امر کے قائل ہیں کہ مردے مطلقاً نہیں سنتے ان کے پاس قرآن وحدیث سے کوئی دلیل اس امر کی نہیں ہے کہ مردے نہیں سنتے اور جہاں کہیں کلام اللہ یا حدیث رسول اللہ میں اس کا ذکر آیا ہے کہ مردے نہیں سنتے اس سے مراد سماع قبول یا سماع انتفاع ہے یعنی ایسا سننا کہ جس سے کچھ فائدہ حاصل ہو اس لئے کہ غرغرہ کے وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے لہٰذا غیر مسلم کو اسلام نفع نہیں دیتا اور مسلم میت بموجب حدیث ﴿ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ ﴾ کے کسی کے لئے باعث نجات نہیں ہوسکتی، نہ دنیوی کام میں اور نہ اخروی میں ۔ اصل غرض عدم سماع سے شارع کی یہی ہے ﴿ کما هو مصرح فی کتب التفسیر والحدیث ﴾ چنانچہ اس بات کا فیصلہ خود علمائے حنفیہ سے اس نمبر کی تفصیل میں مذکور ہوگا ان شاء اللہ ۔ البتہ اس قسم کے معتقدین اپنے مذہب کی کتابوں کے ضرور پابند ہیں، دگر ہیچ ۔

تفصیل نمبر ا یعنی یہ کہ مردے سنتے ہیں لیکن وہ کسی زندہ آدمی کی کسی قسم کی اعانت نہیں کر سکتے بلکہ خود زندوں کے محتاج ہیں کہ اگر زندہ آدمی ان کے لئے دعا مانگے، انکی طرف سے صدقہ وخیرات کرے تو اس کا ثواب انکو پہنچتا ہے یعنی مردوں کو زندہ سے نفع ملتا ہے ۔

(۱) صحیح بخاری مطبوعہ محمدی کے صفحہ ۱۸۳ میں ہے ﴿ حَدَّثَنِیْ نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَخْبَرَهٗ قَالَ اطَّلَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَهْلِ الْقَلِیْبِ فَقَالَ هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا فَقِیْلَ لَهٗ تَدْ

عُوْا مَوَاتًا قَالَ مَا اَنْتُمْ بِاَ سْمَعَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لَّا يُجِيْبُوْنَ ﴾ یعنی کہا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جہاں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اوپر (ان کفار کے جو بدر کی لڑائی میں مارے گئے تھے اور گڑھے میں ڈال دیئے گئے تھے) پس فرمایا ان کفار کی طرف متوجہ ہو کر تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا (دنیا میں نافرمانی پر عذاب کرنے کا) کیا تم نے اسے سچا پایا؟ آپ سے فرمایا گیا کیا آپ مردوں سے کلام کر رہے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا یہ تم سے زیادہ سننے والے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ یہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

فائدہ۔ یہ حدیث بڑی پختہ دلیل ہے اس امر پر کہ مردے سنتے ہیں خواہ نیک ہوں یا بد، لیکن سننا اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ جیسا دنیا میں سنتے تھے ویسا ہی سنتے ہوں بلکہ اپنے اپنے اعتبار سے سماعت ہیں لیکن سماعت ضرور ہے جیسے ایک شخص سخت بیمار ہے کہ چارپائی سے اٹھ نہیں سکتا اس سے کوئی کہے کہ مجھ کو پانی پلا دے تو وہ بیمار کلام تو سن لے گا مگر اس کو اٹھ کر پانی نہیں پلا سکتا اس لئے کہ اللہ نے اس کو سننے کی تو توفیق دے رکھی ہے لیکن اٹھ کر پانی پلانے کی طاقت نہیں دی۔ یا مرنے والا آدمی مرتے وقت دوسروں کی حرکات وسکنات، کلام وگفتگو کو سنتا اور معلوم کرتا ہے لیکن خود کچھ نہیں بول سکتا اور نہ سن سکتا ہے۔

قسطلانی کی شرح بخاری میں ہے ﴿ وَلٰكِنْ لَّا يُجِيْبُوْنَ اَىْ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلَى الْجَوَابِ هٰذَا يَدُلُّ عَلٰى وُجُوْدِ حَيٰوةٍ فِى الْقَبْرِ صَلَحَ مَعَهَا التَّعْذِيْبُ لِاَنَّهٗ بِمَا ثَبَتَ سِمَاعُ اَهْلِ الْقَلِيْبِ كَلَامَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَوْبِيْخَهٗ لَهُمْ دَآلٌّ عَلٰى

اِدْرَاکِھِمْ بِحَآسَّۃِ السَّمْعِ ﴾ یعنی اہل قبور جواب دینے پر قادر نہیں اور یہ اس امر پر دال ہے کہ قبر میں حیات ہوتی ہے (من ای وجہ کان) اور اہل قبر عذاب کی بھی صلاحیت رکھتا ہے اس لئے کہ جب اہل قلیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اور ڈانٹنا سنتے تھے تو یہ اس امر پر دال ہے کہ ان کے حواس میں سننے کا ادراک بھی تھا۔

اور حاشیہ بخاری مطبوعہ محمدی میں حدیث عائشہ کی شرح میں ہے قَالَ الْکِرْمَانِیُّ وَکَانَ حَدِیْثُ مَآ اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْھُمْ لَمْ یَثْبُتْ عِنْدَھَا وَمَذْھَبُھَا یَعْلَمُوْنَ مَا سَمِعُوْا قَبْلَ الْمَوْتِ وَلَا یَسْمَعُوْنَ بَعْدَ الْمَوْتِ اِنْتَھٰی قَالَ الْعَیْنِیُ فِیْ عُمْدَۃِ الْقَارِیْ وَابْنُ حَجَرٍ فِیْ فَتْحِ الْبَارِیْ ھٰذَا مِنْ عَآئِشَۃَ رَدٌّ عَلٰی رِوَایَۃِ ابْنِ عُمَرَ لٰکِنِ الْجُمْھُوْرُ خَالَفُوْھَا وَقَبِلُوْا رِوَایَۃَ ابْنِ عُمَرَ لِمُوَافَقَۃِ مَنْ رَّوَاہُ غَیْرُہٗ وَقَالَ السُّھَیْلِیُّ عَآئِشَۃُ لَمْ تَحْضُرْ قَوْلَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَغَیْرُھَا مِمَّنْ حَضَرَ اَحْفَظُ لِلَفْظِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَمَّا الْاٰیَۃُ فَاِنَّھَا کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَھْدِی الْعُمْیَ اَیْ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الَّذِیْ یُسْمِعُ وَیَھْدِیْ وَقَالَ ابْنُ التِّیْنِ لَا مُعَارَضَۃَ بَیْنَ حَدِیْثِ ابْنِ عُمَرَ وَالْاٰیَۃِ لِاَنَّ الْمَوْتٰی لَا یَسْمَعُوْنَ بِلَا شَکٍّ لٰکِنْ اِذَآ اَرَادَ اللّٰہُ اِسْمَاعَ مَا لَیْسَ مِنْ شَانِہِ السِّمَاعَ لَمْ یَمْتَنِعْ کَقَوْلِہٖ

تعالیٰ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ الْآیَةَ وَقَوْلِهٖ قَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ اِئْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا اٰتَیْنَا طَآئِعِیْنَ﴾ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ اس بات کی قائل ہیں کہ مردے نہیں سنتے اور وہ استدلال میں اس آیت کو پیش کرتی ہیں ﴿اِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی﴾ وہ اس لئے انکار کرتی ہیں کہ حدیث ﴿مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ﴾ والی ان کے نزدیک ان کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور مذہب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ تھا کہ اہل قبور جانتے ہیں جو قبل موت سنتے تھے اور مرنے کے بعد نہیں سنتے (کرمانی) اور عینی اور ابن حجر فرماتے ہیں کہ قول حضرت عائشہ حضرت ابن عمر کی حدیث کے خلاف ہے، لیکن جمہور نے حضرت عائشہؓ کی مخالفت کی ہے اور ابن عمر کی روایت کو قبول کیا ہے اسلئے کہ ابن عمرؓ کے غیر سے اسی کے مانند مروی ہے اور سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ اس وقت حاضر نہیں تھیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مقولہ فرمایا تھا پس ایک ساتھ آئے گا ایسے غیر ان عائشہؓ کا جو حاضر تھا وہ زیادہ یادداشت رکھنے والا ہے واسطے روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور لیکن آیت (جو خلاف واقع ہوتی ہے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العالمین کا فرمان کیا تو بہروں کو سنا سکے گا؟ اندھوں کو دکھا سکے گا؟ یعنی اللہ ہی ایسا کر سکتا ہے (اسی طرح اہل قبور کو اللہ ہی سناتا ہے، آپ کے بس کا یہ کام نہیں ہے) اور کہا ابن تین نے نہیں معارضہ ہے درمیان آیت اور حدیث کے اس لئے کہ مردہ کو خود بنفسہ طاقت سننے کی نہیں ہوتی لیکن جب اللہ پاک کسی ایسی چیز کے سنانے کا ارادہ کرتا ہے جس کی شان سے سننا نہیں پایا جاتا تو کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی

۔اور یہی بات صحیح ہے جیسے اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اس امانت (قرآن مجید) کو زمین وآسما ن اور پہاڑوں پر۔آخر تک اور جیسے کہ اللہ نے زمین سے فرمایا آجاؤ۔

نکتہ۔کرمانی،عینی،اور ابن حجر یہ تینوں عالم مذہبی ہیں کہ جن کے مذہب میں سماع موتی ثابت نہیں لیکن یہ مصنف علماء کا قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ حدیث کے آگے اپنے تمام ہتھیار باطلہ ڈال دیتے ہیں اور حق بات کو تسلیم کر لیتے ہیں یہی حال متاخرین میں سے مولوی عبد الحئی صاحب لکھنوی کا تھا فعفا اللہ عنہم۔اور یہی بات بعض متقدمین ومتاخرین کی کتب حنفیہ میں پائی جاتی ہے کہ جو بات مذہب حنفیہ کی خلاف حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتی ہے اس کی جگہ کھلے لفظوں میں تردید کر دیتے ہیں کہیں اشارہ کر جاتے ہیں،کہیں تحقیق سے کام لیتے ہیں۔کہیں بوجہ مرض تقلید اس کے خلاف بھی کر جاتے ہیں۔چونکہ یہ مسئلہ خلاف مذہب حنفیہ ہے یعنی ان کے ہاں سماع موتی ثابت نہیں اسلئے وہ حضرات اس حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاویل بیجا کرتے ہیں اور اسی طرح ہر وہ حدیث کہ جس میں سماع موتی ثابت ہو کہیں ضعیف کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہیں معجزہ کی قید لگا دیتے ہیں،کہیں خصوصیت بتا دیتے ہیں کہیں صرف سوال وجواب کے وقت کی قید لگا دیتے ہیں۔لیکن درحقیقت انصاف اور عدل کی بات یہی ہے کہ یہ سب امور ان کو اسوجہ سے کرنے پڑتے ہیں کہ ان کے مذہب میں سماع موتی جائز نہیں ہے

احادیث کو دیکھیں تو اپنے مطلب میں صاف پاویں گے کہ سماع موتی ثابت ہے۔ایک موٹی سی بات ہے کہ اس حدیث ابن عمرؓ میں جو علماء حنفیہ خاصہ کی قید لگاتے ہیں

کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ تھا اس کی دلیل ہم شرعا پوچھتے ہیں کیا ہے؟ ہم یقیناً کہتے ہیں کہ اسکی دلیل علماء حنفیہ شرع محمدی سے کچھ نہیں دے سکتے اور جو قول عائشہؓ اور آیت وغیرہ سے استدلال کر کے کہتے ہیں اس کا وہ مطلب نہیں جیسا کہ تفصیل نمبر ۲ میں معلوم ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

یہ ایک روایت صحیح بخاری کی اس امر میں نقل کی گئی ہے باقی صحیح مسلم و ترمذی وغیرہما کی روایتیں اہل قبور وقبور پر سلام کرنے کی آچکی ہیں نیز ان اہل قبور کے جواب دینے کی۔ اور خفق نعال جو روایات طرق کثیرہ صریحہ صحیحہ سے کتب حدیث میں مروی ہیں۔ ان آحادیث کی مخصص کوئی آیت یا حدیث نہیں ہے جیسا کہ حنفیہ کرتے ہیں کہ صرف سوال و جواب کے وقت جوتی کی آہٹ معلوم کرتے ہیں پھر نہیں۔ پھر نہیں کے لئے دلیل چاہئے اور کوئی آیت یا حدیث سوائے رائے یا قیاس کے اس امر میں نہیں ہے اور کسی محقق کے نزدیک مسلم نہیں۔ اور جو علماء حنفیہ ان سلام والی روایت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس سلام کا جواب فرشتے دیتے ہیں یہ بے ثبوت بات ہے۔ سلام تو کیا جائے اہل قبور کا نام لے کر اور جواب دیں فرشتے، آخر اس کیلئے کون سی دلیل شرعی ہے سوائے قیاس و رائے کے جو مسلم کے نزدیک صریح صحیح احادیث کے مقابلہ میں مقبول نہیں ہوسکتی۔

غرض یہ مسئلہ اپنے بارے میں صاف ہے کہ مردے واہل قبور جتنا اللہ چاہتا ہے سنتے ہیں۔ اور جو اس کے متعلق نہ سننے کے قائل ہیں وہ تاویلات بیجا کر کے اصل مطلب بگاڑتے ہیں اور اس کے سمجھنے کے لئے اتنا غور درکار ہے کہ ہر مسلم کے نزدیک ان کا ثواب

وعذاب مسلّم ہے جوثواب وعذاب مسلّم ہے تو یہ نزاع رہا کہ آیا روح جسم میں رہتی ہے یا علیحدہ، سواس میں تفریق ہے۔ بعض کہتے ہیں صرف سوال وجواب کے وقت لوٹائی جاتی ہے پھر ماردیئے جاتے ہیں یعنی روح کا تعلق بالجسم ایسا نہیں رہتا سو یہ کچھ مضر نہیں روح خواہ علیین میں رہے یا سجین میں جب ثواب وعذاب ہوگا اور بدن کو وہ تکلیف محسوس ہوگی تو لازمی امر ہے کہ روح وبدن ہردو کو اس کا احساس ہوگا اور یہی بات از روئے عقل بھی ہونی چاہئے کہ ثواب روح وبدن دونوں کو ہو اسی طرح عذاب بھی اس لئے کہ دنیا میں ہردو (جسم اور روح) موجود تھے اور جملہ ﴿جَزَآءً بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ بھی اسی کا مؤید ہے۔

پس جب کہ مسلّم طور پر ثواب وعذاب کے مستحق وہ ہیں اور قیامت تک ثواب وعذاب کے تعلقات کا حس ان کو معلوم ہوتا ہے تو پھر کون سی چیز ان کو اس امر سے مانع ہے کہ وہ سلام کا جواب نہ دے سکیں یا سماع موتی ثابت نہ ہو باوجودیکہ مسلمہ طور پر منکر ونکیر کے سوال کے وقت مانعین اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ بس فیصلہ ہوا بعد تسلیم کون سی حدیث صحیح ایسی آئی ہے کہ جس میں اس بات کا ذکر ہو کہ وہ پھر نہیں سنتا صرف سوال وجواب کے وقت ہی سنتا ہے، حالانکہ احادیث صریحہ وصحیحہ اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ سنتا ہے اور اسی واسطے سلام کرنا آیا ہے اور اس کے جواب دینے کی بھی حدیث آچکی ہے۔ اور جو علماء بجائے اہل قبور کے فرشتوں کے جواب دینے کو تسلیم کرتے ہیں وہ بے دلیل بات ہے شریعت کا مسئلہ نہیں، اپنی طرف کا منگھڑت جواب ہے۔

تفصیل نمبر ۲۔ جو سماع موتی کے قائل ہیں لیکن وہ اس ذریعہ سے طرح طرح کے شرک

کرتے ہیں کہ جب ان سے سننا ثابت ہے تو اب ہماری حاجتیں کیوں نہیں سنیں گے، اس لئے وہ طرح طرح کے شرک کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ عقیدہ کے گو حنفی المذہب ہی ہوتے ہیں مگر اس بارے میں وہ اہل حدیث کے ہم نوا ہیں یعنی صرف سماع موتی میں امام صاحبؒ وفقہ مروجہ کے خلاف کرتے ہیں، اگر چہ حدیث کے موافق مذہب ہے۔ اس لئے ہم ایسے اصحاب کو متنبہ کرتے ہیں، کہ کتب حنفیہ میں صاف ہے کہ سماع موتی ثابت نہیں باوجود اتنی تصریح کے پھر کیوں وہ اپنے مذہب کے اس مسئلہ میں خلاف کرتے ہیں۔ اور جب یہ مسئلہ خلاف تھا تو سورۂ فاتحہ اور رفع یدین وآمین بالجہر جو صریح صحیح احادیث سے ثابت ہے اور تینوں اماموں سے بھی ثابت ہے یعنی امام مالکؒ وشافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبل (ملاحظہ ہو موطأ امام مالکؒ ومسند احمدؒ ومسند شافعیؒ) اس میں حدیث کے مطابق کیوں نہیں چلتے اور اپنے امام صاحب کے خلاف کیوں نہیں کرتے معلوم ہوا نہ تو حنفی ہیں نہ تو اھل حدیث بلکہ خواہش کے بندے ہیں۔ اگر مقلدین اپنے مذہب کے مطابق اس مسئلہ کو مان لیں تو کم از کم قبروں کا شرک تو لوگوں سے کافور ہو جاوے۔

اب ہم چند حوالہ کتب فقہ حنفیہ کے دیکر دوسرے نمبر کو شروع کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ یعنی منکرین سماع موتی (۱) ﴿هٰذَا عِنْدَ اَكْثَرِ مَشَائِخِنَا وَهُوَ اَنَّ الْمَيِّتَ لَا يَسْمَعُ عِنْدَهُمْ (فتح القدير كتاب الجنائز﴾ یعنی فقہائے حنفیہ کے نزدیک مردے نہیں سنتے۔ (۲) ﴿لِاَنَّ الْمَيِّتَ لَا يَسْمَعُ وَلَا يَفْهَمُ﴾ (حاشیہ در مختار جلد نمبر ۲) یعنی مردہ نہ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے، (۳)

﴿وَقَدْاتَّفَقُوْاعَلٰی اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمْ یَخْلُقْ فِی الْمَیِّتِ الْقُدْرَۃَ وَالْاَفْعَالَ الْاِ خْتِیَارِیَّۃَ﴾(شرح مقاصد جلد نمبر ۴) یعنی علماء کا یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ تحقیق اللہ تعالی نے پیدا کیا نہیں میت کے قدرت اور فعل مختاری کی قوت۔ اور آگے چل کر کہتے ہیں ﴿وَلَا نَزَاعَ اَنَّ الْمَیِّتَ لَا یَسْمَعُ﴾ یعنی علماء کا اس میں نزاع نہیں ہے کہ مردہ نہیں سنتا (۴) مأتہ مسائل میں مولانا اسحٰق صاحب دہلوی فرماتے ہیں جواب ۲۶ پس جواب اینست کہ نزد اکثر حنفیہ سماعت اموات ثابت نیست یعنی اکثر علماء حنفیہ کے نزدیک مردوں کا سننا ثابت نہیں ہے۔

افسوس ہے مولوی خیر محمد صاحب جالندھری پر، انہوں نے اپنے رسالہ توسل با لذات پر خوب زور لگایا ہے لیکن صفحہ ۱۳ پر جو عبارت مولانا اشرف علی تھانوی کی نقل کی ہے۔ اس کی ابتدائی سطروں نے سارے رسالہ پر پانی پھیر دیا چنانچہ توسل بالمخلوق کی پہلی صورت یہ لکھی ہے کہ خود مخلوق سے درست ہے جس سے دعا کرائی جاسکتی ہے۔ میت کے بارے میں کسی دلیل سے اس کا ثبوت نہیں۔ پس یہ زندہ کے ساتھ ہی مخصوص ہے

یہ تائید ربی ہے کے قدرت نے قائلین توسل بالاموات سے یہ عبارت لکھوادی جو ان کی تردید کے لئے کافی ہے لیکن ان کو خبر بھی نہیں۔

نیز مولوی عبدالحئ صاحب لکھنوی حنفی مجموعہ فتاوی اول کے ۲۷۴ میں فرماتے ہیں بعد عالم وصال کے ان سے دعاء کرانے یا واسطے حاجت روائی اپنی کہ کسی طرح انکو تکلیف دینی یہ دستور قرون مشہود بالخیر میں اور زمانہ مجتہدین میں پایا نہیں گیا۔ بناء علیہ ہمارے فقہا

ئے حنفیہ اس میں مختلف ہیں۔ اکثر عدم جواز کے قائل ہیں اس بناء پر کہ سماع موتی ثابت نہیں جیسا کہ فتح القدیر حاشیہ ہدایہ و مستخلص شرح کنز کفایہ شرح ہدایہ و درمختار و دیگر فتاوی میں صراحۃ و اشارۃً لکھا ہے الخ۔ فتوٰی رشیدیہ میں ہے ارجح مذہب عدم سماع کا ہے۔ اور مولانا نواب قطب الدین صاحب دہلوی اپنی کتاب جامع التفاسیر میں فرماتے ہیں، تنبیہ جاننا چاہئے کہ سماع اموات میں اگرچہ بعض علماء نے اختلاف کیا ہے لیکن مذہب امام اعظمؒ اور ہمارے اکثر مشائخ کا عدم سماع موتی کا ہے الخ۔

تنبیہ۔ کہاں ہے وہ اصحاب جنہوں نے اجمیر، بغداد، نظام الدین پیران کلیر کے مزاروں کو رونق دے رکھی ہے طرح طرح کے شرک کرتے ہیں اور کرواتے ہیں، مجاور بن کر بیٹھ گئے اور طلبِ حاجات کے لئے دروازہ کھول رکھا ہے وہ کس مذہب کے پابند ہیں۔ اگر حنفی المذہب ہیں امام صاحب کے مقلد ہیں تو ہوشیار ہو جاویں اور کان کھول کر سن رکھیں کہ امام صاحب کے نزدیک مردے نہیں سنتے خواہ قیامت تک چلاتے جاؤ۔ اور اگر کوئی پیر زادہ یا مجاور اس طرح بہکائے ہمارا کام ان کی مدد مانگنے سے مل جاتا ہے تو وہ خیال نہ کرے کہ ان کے مانگنے سے ملتا ہے بلکہ اللہ پاک ہر انسان کو پہنچاتا ہے، کیا نصاریٰ کے کام دنیا میں نہیں بن جاتے حالانکہ وہ عیسی علیہ السلام کو رب جانتے ہیں۔ پس یہ شیطانی وسوسہ ہے اور کچھ نہیں۔ جو پیر زادہ یا نام کا مولوی ایسا کرے سمجھ لو کہ وہ مولوی نہیں بلکہ شیطانی کام کرتا کراتا ہے اگرچہ بڑا صوفی اور درویش اور کیسا ہی اپنے آپ کو پارسا کیوں نہ دکھلاوے۔ جب شریعت محمدیہ و شریعت حنفیہ سے قبروں سے امداد جائز ہی نہیں تو یہ کیا قصہ جھوٹا بنا رکھا ہے اور یہ کس کے تابع

اور کس مذہب کے چلنے والے ہوئے؟ اس کا جواب مصنف لوگ خود سوچ لیں۔ امام ابوحنیفہؒ تو دفع شرک از قبور کیلئے یہاں تک فرماتے ہیں کہ قرآن کا پڑھنا قبرستان میں جائز نہیں چہ جائیکہ دیگر عبادات مانند نوافل وسجود وطواف ورکوع وغیرہ کے جائز ہوں جیسا کہ قاضی خاں جلد اول میں ہے ﴿ قَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ یُکْرَہُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا یُکْرَہُ وَمَشَائِخُنَا اَخَذُوْا بِقَوْلِ مُحَمَّدٍ ﴾ یعنی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قبرستان میں قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور فقہائے حنفیہ کا امام محمدؒ کے قول پر عمل ہے۔

نکتہ۔ یہ بڑے مزے کی بات ہے کہ اگر کوئی عامل بالحدیث امام صاحب کے قول پر محض اس بنا پر عمل نہ کرے کہ امام صاحب فرما گئے اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِی ۔ تو اس کو غیر مقلد، لامذہب کا فتویٰ لگ جائے۔ اور اگر ان ہی حضرات میں سے اپنے امام صاحب کے وزیر یا شاگرد رشید یا دیگر علمائے احناف اس قول کا رد کریں اور اس کا خلاف کریں تو خاصے مقلد ع

ببیں تفاوت راہ از کجا ست تا بکجا

خاصے رہے ﴿ تِلْکَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰی ﴾۔ اللہ لگتی بات تو یہی ہے کہ موطا امام محمدؒ وغیرہ اٹھا کر دیکھ لو تو پتہ چلے کہ امام صاحبؒ کے مخالف سب سے زیادہ کون تھے اور پھر انکو حضرات حنفیہ کس نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ آخر اس کی وجہ؟ وہی جو اللہ پاک نے فرمائی ہے ﴿ وَھُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ﴾ یعنی بہت سے مدعی اپنے دعوی میں بلا

دلیل کے جھگڑتے ہیں۔

نمبر۲ حضرات حنفیہ عدم سماع موتیٰ کے قائل ہیں۔ اصل بات تو وہی ہے جو معلوم ہو چکی کہ امام صاحب کا چونکہ مذہب انکے خیال سے عدم سماع ہے اس لئے یہ بھی اسی روش پر ہیں لیکن مخالفین سے بچنے کے لئے کچھ قرآنی آیت اور کچھ احادیث بھی اپنے مطلب کے موافق ہوں یا نہ ہوں مگر وہ تو یہی خیال بلکہ یقین کئے ہوئے ہیں کہ اس کا یہی مطلب ہے چونکہ سب سے پہلے وہ اس آیت کو اپنے مفید مطلب خیال کر کے پیش کیا کرتے ہیں ﴿اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی﴾ یعنی اے محمد ﷺ تم مردوں کو نہیں سنا سکتے حالانکہ آیت کا مطلب یہ نہیں ہے۔ چنانچہ پوری آیت اس طرح ہے ﴿اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْ مُدْبِرِیْنَ، وَمَا اَنْتَ بِھٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِھِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَھُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (پ۲۰ سورہ نمل) یعنی نہیں سنا سکتے آپ مردوں کو اور نہیں سنا سکتے بہروں کو جب کہ پھر جاویں وہ پیٹھ پھیر کر۔ اور نہیں آپ ہدایت کر سکتے اندھوں کو گمرہی ان کی سے۔ نہیں سنا سکتے آپ مگر اس شخص کو جو ایمان لائے ساتھ احکام ہمارے کے پس وہ فرمابردار ہوتے ہیں۔

فائدہ۔ آیت کا مطلب تو صرف اتنا ہے کہ نبی ﷺ کو تعلیم دی گئی ہے کہ آپ کی امت دو قسم کی ہے ایک فرماں بر۔ دوسری نافرمان۔ جن میں مادہ نافرمانی ہے انکی مثال اللہ کے نزدیک مردوں اور گونگوں اور اندھوں کی سی ہے یعنی جیسے کہ مردوں کو اگر کوئی قرآن سنائے

توحید پر لانا چاہے یا قیامت کا خوف دلائے تو کچھ فائدہ نہیں۔ (اس لئے کہ اب وہ وقت نہیں رہا جو سننا نفع دیتا اور نہ اس وقت ایمان کی توفیق ان کو میسر ہو سکتی ہے) اسی طرح گونگے اور اندھے یعنی قرآن سے گونگے قرآن سے بہرے اس لئے کہ ظاہر میں تو وہ اندھے نہیں ہیں جیسے دوسری جگہ اللہ پاک نے فرمایا ہے ﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴾ (پ ۱۷ سورۃ حج) یعنی یہ آنکھوں کے اندھے نہیں ہیں بلکہ دلوں کے اندھے ہیں کہ حق بات کو قبول نہیں کرتے۔

پس شرعی اصطلاح میں مردہ اور بہرہ اور اندھا اس کو بھی کہتے ہیں کہ جو حق بات کو کان لگا کر نہ سنے کہ جو سننا نفع دیتا ہے جیسے کوئی آریہ یا عیسائی قرآن کو سنے اور اس پر ایمان نہ لائے تو ایسے سننے کو کہا جاتا ہے کہ مردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی جیسے مردوں کو سننے سے کچھ فائدہ نہیں ایسے ہی ان کو بھی اس لئے کہ سنتے تو واقعی ہیں لیکن انصاف کا سننا نہیں سنتے تو گویا مردوں جیسے ہیں کہ ان کا سننا کسی کام کا نہیں کہ جو ان کے کام آسکے۔ اصل غرض اللہ تعالیٰ کی اس آیت سے یہ ہے۔ چنانچہ خود علما حنفیہ بھی اس کے قائل ہیں چنانچہ شامی میں ہے:

﴿ فَاِنَّهُ شُبِّهَ فِيْهِمَا الْكُفَّارُ بِالْمَوْتٰى لِعَدَمِ لِاَفَادَةِ بَعْدَ سِمَاعِهِم ﴾

یعنی مشابہت دی گئی ہے قرآن شریف میں کافروں کو مردوں کے ساتھ اس امر میں کہ سننے میں یہ دور ہیں (وہ سننا کہ جو فائدہ دے جیسا کہ مردے) آگے چل کر جو صاحب شامی نے تشریح کی ہے وہ مذہب کی بنا پر ہے ہم کو صرف اتنا جتلانا ہے کہ کفار کی مثال مردوں کی ﴿ مسلم بین الفریقین ﴾ ہے پھر جھگڑا کیسا اور عدم سماع موتی پر دلیل کیسی اور ورنہ ماننا

پڑیگا کہ کفار بھی نہیں سنتے حالانکہ مسلمہ طور پر کفار سنتے ہیں مطلب وہی ہے جو اوپر گزرا یعنی حق سننے کا نہیں سنتے جیسے کہ مردے۔ تفسیر کبیر جلد سادس ۶ ﴿ فَالَّلّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی قَطَعَ مُحَمَّدً صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عَنْهُمْ بِاَنْ بَيَّنَ لَهٗ اَنَّهُمْ كَالْمَوْتٰی وَ كَالصُّمِّ وَ كَالْعُمْیِ فَلَايَفْهَمُوْنَ وَلَا يَسْمَعُوْنَ وَلَا يُبْصِرُوْنَ وَلَا يَلْتَفِتُوْنَ اِلٰی شَئٍ مِّنَ الدَّلَائِلِ وَ هٰذِهٖ سَبَبٌ لِّقُوَّةِ قَلْبِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اِظْهَارِ الدِّيْنِ كَمَا يَنْبَغِیْ فَاِنْ قِيْلَ مَعْنٰی قَوْلِهٖ اِذَا وَلَّوْ مُدْبِرِيْنَ جَوَابُهٗ هُوَ تَاكِيْدُ الْحَالِ الْاَصَمِّ لِاَنَّهٗ اِذَا تَبَاعَدَ عَنِ الدَّاعِیْ بِاَنْ تَوَلّٰی عَنْهُ مُدْبِرًا كَانَ اَبْعَدَ عَنْ اِدْرَاكِ صَوْتِهٖ اَمَّا قَوْلُهٗ تَعَالٰی اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَالْمَعْنِیْ مَا يَهْدِیْ اِسْمَاعُكَ اِلَّا الَّذِيْنَ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّهُمْ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِهٖ اَیْ يُصَدِّقُوْنَ بِهَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی امید بالکل منقطع کرادی یعنی آپ کی حرص تھی کہ کسی طرح ایمان لے آویں بایں طور کہ انکی مثال مانند مردوں اور بہروں اور اندھوں کے ہے پس یہ نہیں سمجھتے اور نہیں سنتے اور نہیں دیکھتے اور نہیں خیال کرتے کسی دلیل کا۔ پس یہ قوی کرنا ہے دل نبی ﷺ کا کہ آپ اظہار دین میں کوشش کریں جب تک ممکن ہو (جو نہ ماننے والے ہیں) اس میں آپ کی تبلیغ کا قصور نہیں ہے بلکہ خود ان کا قصور ہے کہ وہ کالموتے وغیرہ ہیں) پس اگر کہا جائے کیا مطلب ہے قول اللہ تعالیٰ کا ﴿ اِذَا وَلَّوْ مُدْبِرِيْنَ ﴾ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ

تاکید ہے واسطے حالت بہراپن کے جب کہ دور ہوگیا پکار داعی سے بایں طور کہ پیٹھ پھیر کر دور ہوگیا معلوم کرنے آواز داعی کے سے لیکن کہنا اللہ تعالی کا نہیں سنا سکتا تو مگر اسی شخص کو جو ایمان لاتا ہے ساتھی احکام ہمارے کے پس مطلب یہ ہے کہ نہیں فائدہ دیتا سنانا تیرا مگر ان ہی لوگوں کو کہ جان لیا اللہ نے تحقیق وہ ایمان لائیں گے اسی کے احکام پر پس یعنی اس کے احکام کی تصدیق کریں گے۔

فائدہ: مطلب آیت کا یہ ہوا کہ آپ ایمان والوں کو سنا سکتے ہیں، اوروں کو نہیں۔ کیا کوئی ذی علم کہہ سکتا ہے کہ آپ یا کوئی مسلم مبلغ صرف مومن با اللہ ہی کو سنا تا ہے حالانکہ مسلمہ طور پر مشرکین و کفار کو سنایا اور بہت سے ایمان بھی لائے یعنی جنکے دل کالمیت نہیں ہوئے ان کو سننا نفع دیگا اور جن کے کالمیت ہوگئے وہ اگر چہ سن تو لیں گے لیکن نفع نہیں دے گا۔ پس ان حضرات کو چاہئے کہ جو اس آیت سے سماع موتی کے قائل نہیں سماع کفار ومشرکین کے بھی قائل نہ ہو

منکرین سماع موتی اس آیت کو بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں. ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ. ﴾ (پ ۲۲ سورہ فاطر) یعنی جس کو اللہ چاہے سنائے۔ اور آپ نہیں سنا سکتے قبر والوں کو۔

فائدہ۔ آیت کا مطلب یوں تو بالکل صاف ہے کہ اللہ اگر چاہے تو ان کفار کو ایسا سنا وے لیکن آپ ان کفار کو جن کو اللہ سنوانا نہیں چاہتا بوجہ ان کی کجروی کے جن کی مثال اہل قبور کی ہے، نہیں سنا سکتے وہ سنانا کہ جو ان کے لئے مفید ہو، چنانچہ تفسیر کبیر ص نمبر ۴۱ جلد سابع میں ہے۔

﴿ وَفِيهِ احْتِمَالُ مَعْنَيَيْنِ (اَلْاَوَّلُ) اَنَّ يَكُوْنَ الْمُرَادُ بَيَانَ كَوْنِ الْكُفَّارِ بِالنِّسْبَتِ اِلٰى سِمَاعِهِمْ كَلَامَ النَّبِّى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْوَحْى النَّازِلَ عَلَيْهِ دُوْنَ حَالِ الْمَوْتٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَالنَّبِىُّ لَايُسْمِعُ مَنْ مَّاتَ وَ قُبِرَ فَالْمَوْتٰى سَامِعُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَالْكُفَّارُ كَالْمَوْتٰى لَايَسْمَعُوْنَ مِنَ النَّبِىِّ (وَالثَّانِى) اَنْ يَّكُوْنَ الْمُرَادُ تَسْلِيَةَ النَّبِىِّ ﷺ فَاِنَّهٗ لَمَّا بُيِّنَ لَهٗ اَنَّهٗ لَايَنْفَعُهُمْ وَلَا يُسْمِعُهُمْ قَالَ لَهٗ هٰؤُلَاءِ لَا يُسْمِعُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ فَاِنَّهٗ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ وَ لَوْ كَانُوْا صَخْرَةً صَمَّاءَ وَاَمَّآ اَنْتَ فَلَا تُسْمِعُ مَنْ فِى الْقُبُوْرِ فَمَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَىْءٍ ﴾ یعنی اس میں احتمال معنیین کا ہے یہ کہ مراد اس کے یہ ہے کہ کلام نبوی اور وحی منزل علیہ کو سننے میں کفار کی حالت مردوں سے زیادہ ردی اور خراب ہے۔ پس تحقیق اللہ سناتا ہے مردوں کو اور نبی ﷺ نہیں سنا سکتے اس شخص کو جو مر گیا ہو اور دفن کر دیا گیا۔ پس مردے سنتے ہیں اللہ کی توفیق سے اور کفار کا لموتی نہیں سن سکتے نبی ﷺ سے (سماع قبول) اور (۲) یہ کہ مراد اس سے نبی ﷺ کو تسلی دینا ہے۔ پس جب کہ بیان کر دیا گیا واسطے آپ کے کہ تحقیق آپ نہیں نفع دے سکتے ان کو مگر اللہ۔ پس اللہ سنا سکتا ہے جس کو چاہے اگر چہ بند پتھر ہو لیکن تو پس نہیں سنا سکتا جو قبروں میں ہیں پس ایسے انکی پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نوٹ: رسالہ ہذا بنام ''حقیقۃ التوسل والوسیلہ'' عرصہ دراز ہوا جناب مولانا عبدالستار صاحب کلانوری رحمہ اللہ نے تصنیف فرمایا تھا اور طبع ہو کر منظر عام پر آیا تھا لیکن اب پھر اس رسالہ مفیدہ کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ میرے محترم بھائی مفسر قرآن شیخ الحدیث حضرت مولانا الحافظ الحاج ابومحمد عبدالستار صاحب امام جماعت غرباء اہلحدیث نے اس کی نظر ثانی فرما کر اکثر مقامات میں اضافہ فرمایا اور عاجز کو طبع کرانے کا مشورہ دیا۔

ناظرین اس رسالہ کو از اول تا آخر پڑھ کر مسئلہ وسیلہ کی حقیقت سے آشنا ہوں۔ فقط

والسلام

خادم اسلام

ابوعمار عبدالقہار رحمۃ اللہ علیہ

بارگاہِ رب العزت میں التجا ہے کہ تمام مسلمین و مسلمات کو کماحقہٗ سوچنے، سمجھنے اور خالص قرآن وحدیث پر عمل کرنے کی توفیق عنایت ہو، تاکہ راہِ نجات و فلاح تک رسائی نصیب ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کی تکمیل میں کسی بھی طریقہ سے محنت و مشقت صرف کرنے والوں کو اجر عظیم اور ثوابِ دارین عطا فرما اور تمام مرحومین کیلئے سببِ نجات بنا۔ آمین یارب العلمین۔